⑤ ① ② ③ ④

رکوعها: ١ | سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ | آياتها: ٧

رکوع:۱ | سورۂ فاتحہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی | آیات:۷

سورۂ فاتحہ کہاں نازل ہوئی؟

① **(الف)** عربی میں ''سُوْرٌ'' کے بنیادی معنی علوّ اور ارتفاع کے آتے ہیں اسی لیے ''سورة الخمر'' کے معنی ''شراب کی حدت اور تیزی'' کے ہیں۔ محاورہ بولتے ہیں: ''وإن لغضبه سورة'' (اور یقیناً اس کے غصے میں شدت ہے)۔① اور ''سَوَّارُ'' کا لفظ اس درندے کے لیے بولتے ہیں جو اپنے شکار کو اس کے سر سے پکڑے۔② ہر بلند و بالا شاندار عمارت کو بھی ''سُوْرَةٌ'' کہا جاتا ہے③ اور ''سَوْرَةُ السُّلْطَان'' سے مراد ''بادشاہ کی سطوت اور اس کا غلبہ'' ہے۔④

زیاد بن معاویہ بن ضباب النابغہ الذبیانی المتوفی ۱۸ق.ھ (قبل الهجرة النبوية على صاحبها ألف ألف التحية و الثنا) اپنے ممدوح نعمان بن منذر کی شان میں اپنے مشہور قصیدے ''أتاني أبيت اللعن'' میں کہتا ہے:⑤

ألم تر أن اللّٰه أعطاك سورة   ترى كل ملك، دونها، يتذبذبُ

ترجمہ: کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ شرف و منزلت عنایت فرمائی ہے کہ ہر بادشاہ آپ کے اس مقام کو دیکھ کر تھرّا اُٹھتا ہے۔

---

① (سور) السين والواو والراء أصل واحد يدل على علو وارتفاع، من ذلك سار يسور إذا غضب وثار، وإن لغضبه سورة..... وسورة الخمر: حدتها وغليانها. (معجم مقاييس اللغة، سور، ج: ٣، ص: ١١٥)

② والسَّوَّارُ من الكلاب الذي يأخذ الراس. (تاج العروس، سور، ج: ٦، ص: ٥٥٢)

③ وكل منزلة رفيعة فهي سورة مأخوذة من سورة البناء. (لسان العرب، سور، ج: ٦، ص: ٤٢٧)

④ لسان العرب، سور، ج: ٦، ص: ٤٢٦.

⑤ ديوان النابغة الذبياني، ص: ٢٥.

www.seerat.net

قرآن کریم کی بھی ہر سورت کو اس لیے سورت کہا جاتا ہے کہ ہر ایک سورت میں ارتفاع اور بلندی ہے۔ اس مبارک کتاب کی ہر ہر سورت اپنے اندر ایک رفعت اور بزرگی رکھتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ مختلف مقامات پر ارشاد فرمایا تاکہ مخاطبین کو یہ بتلایا جائے کہ جن آیات کی وہ تلاوت کر رہے ہیں ان کا مجموعہ (سورت) بہت بلند اور برتر ہے۔

(ب) یا پھر اس لفظ (سورۃ) کو "السوُرُ" سے مشتق مانا جائے اور اس کے معنی فصیل شہر کے آتے ہیں۔ جریر بن عطیہ الخطفی التمیمی المتوفی ۱۱۴ھ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی مدح اور ان کے قاتل ابن جُرمُوز کی ہجو میں کہتا ہے:①

لـمـا أتـى خبـر الـزبيـر تـواضعـت　　　سـور الـمـديـنة والـجبـال الـخشعُ

ترجمہ: جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی آمد ہوئی تو شہر کی فصیلیں اور پہاڑ ڈھ پڑے۔

سو اس اعتبار سے سورت کے معنی فصیل شہر کے ہوئے یعنی ہر سورت میں ادبیات، لغات، اوامر ونواہی، اسرار ورموز اور گوناگوں علوم کا ایک شہر آباد ہے اور ان تمام علوم کو جس فصیل نے گھیرا ہوا ہے، اس فصیل کو عربی میں سورت کہتے ہیں اور پھر اس فصیل شہر کا اپنا بھی ایک نام ہے اور وہ نام کہیں "الـفـاتـحـة" ہے تو کہیں "البقرة"، کہیں "الـمـائـدة" ہے تو کہیں "الـكـوثـر"۔ اس طرح علوم ومعارف کے ہر شہر کی فصیل کا اپنا اپنا الگ سے ایک نام ہے۔

(ج) مندرجہ بالا دونوں توجیہات اس بناء پر قبول کی جائیں گی کہ جب "سـور" میں واؤ کو حرف اصلی مانا جائے اور اگر اس لفظ کو "سـؤرة" مہموز العین مانا جائے تو پھر اسے اسأرت سے مشتق ماننا ہوگا، جو کہ "بقیہ" یا "پس خوردہ" کے معنی میں آتا ہے۔ یہ "بقیہ" یا "پس خوردہ" درحقیقت اصل ہی کا ایک جزو ہوتا ہے، سورت کو سورت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ باقی قرآن کریم کا ہی ایک جزو ہے،② اس اعتبار سے سورت کا معنی "ٹکڑا" یا "حصہ" ہوگا۔ ہر ایک سورت قرآن کریم کا ایک عظیم الشان حصہ یا ٹکڑا، جس کی اپنی ایک ابتداء اور ایک انتہا ہے۔ اس طرح ان

① لسان العرب، سور، ج: ٦، ص: ٤٢٦. تاج العروس، سور، ج: ٦، ص: ٥٥٢.

② ومن قال سُؤرَةٌ فمِن أَسأَرتُ، أي: أبقيتُ منها بقية، كأنها قطعة مفردة من جملة القرآن. (المفردات في غريب القرآن، سور، ص: ٤٢٨)

www.seerat.net

114 خوبصورت اور جلیل القدر ٹکڑوں نے مل کر ایک کتاب کو مرتبہ کیا ہے، جسے قرآن حکیم کہا جاتا ہے۔①

قارئین جب سُوَرُ (سورت کی جمع) قرآنی پر غور کریں گے تو ان کے ذہن میں ایسے بہت سے سوالات جنم لیں گے جن کے جوابات کا تعلق تو درحقیقت ''علوم القرآن'' سے ہے لیکن ان میں سے تین سوالات ایسے ہیں جن کا جواب اس مقام پر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پہلا سوال:

تو یہ کہ ان تمام سورتوں کو سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ والناس تک یوں کس نے مرتب کیا تھا، جیسے کہ موجودہ قرآن کریم اپنی قدیم ترتیب کے ساتھ اب ہماری نگاہوں کے سامنے ہے؟

اس اہم سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب کے بارے میں، اُمت کے اہل علم میں تین مؤقف رہے ہیں۔

① **پہلا مؤقف** یہ کہ قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب کہ کونسی سورت کس مقام پر آئے گی، اس سے پہلے اور اس کے بعد کون سی سورت رکھی جائے گی، یہ کام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد پر موقوف تھا اور موجودہ ترتیب انہی کے اجتہاد کے مطابق ہے۔ ترتیب سُوَرُ میں تغیر و تبدل کوئی جرم اور گناہ نہ تھا اس لیے جس صحابی رضی اللہ عنہ نے جیسے مناسب سمجھا، اپنے زیر تلاوت قرآن کریم کو ویسے ہی مرتب کیا یا کسی کاتب سے ویسے ہی مرتب کروا لیا۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوتا تھا پھر اس کے بعد سورۂ بقرہ، سورۂ ال عمران اور اس کے بعد بجائے سورۂ مائدہ کے سورۂ انعام کی ترتیب تھی۔ ایسے ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۂ بقرہ کے بعد سورۂ نساء تحریر کی گئی اور اس کے بعد سورۂ ال عمران کو تحریر کیا گیا۔ امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مصحف ترتیب نزولی کے مطابق تھا۔ اس کا آغاز سورۂ علق سے ہوتا تھا اور اس کے بعد سورۂ مدثر پھر سورۂ ق پھر سورۂ مزمل اس کے بعد سورۂ تبت پھر سورۂ تکویر پھر بقیہ مکی سورتیں اور بعد ازاں مدنی سُوَرُ تحریر کی گئی تھیں۔ یہ تمام روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات میں کچھ حرج محسوس

① قال أبو الهيثم: والسورة من سور القرآن عندنا قطعة من القرآن سبق وُحدانها جمعها، كما أن الغرفة سابقة للغرف، وأنزل الله عزوجل القرآن على نبيّه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، شيئا بعد شئ وجعله مفصلا، وبيّن كل سورة بخاتمتها وبادئتها وميزها من التي تليها. (لسان العرب، سور، ج: ٦، ص: ٤٢٧)

نہیں کرتے تھے کہ سُوَرِ قرآنی کی ترتیب میں اجتہاد کریں۔

② **دوسرا مؤقف** یہ کہ قرآن حکیم میں ترتیب سور کا کچھ حصہ تو حضرت صاحب الرسالۃ ﷺ نے مرتب فرمادیا تھا اور کچھ حصہ ایسا ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کے مطابق ہے۔ سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ انفال (سبع طوال) تک پھر وہ تمام سورتیں جو "حٰمٓ" سے شروع ہوتی ہیں (حوامیم) اور اس کے بعد سورۂ ق سے لے کر آخر قرآن (مفصل) تک کی تمام سورتیں تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے ترتیب دے دی تھیں البتہ ان کے علاوہ باقی سُوَر کی ترتیب کا حق، آپ نے اپنی اُمت کو تفویض کر دیا تھا اور اُمت کے قائدین سب سے پہلے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے چنانچہ بقیہ قرآن میں سور کی ترتیب، ان کا اجتہاد برحق ہے۔

③ **تیسرا مؤقف** یہ کہ قرآن کریم کی تمام سورتوں اور آیات کی ترتیب حضرت رسالت مآب ﷺ نے بحکمِ الٰہی دے دی تھی اور آپ کو بذریعہ وحی ایک ایک آیت اور ہر ہر سورت کے متعلق یہ ہدایت دی جاتی تھی کہ کس سورت کو کس سورت سے پہلے اور کس سورت کے بعد رکھنا ہے اور یہ تک بھی بتا دیا جاتا تھا کہ کون سی آیت کریمہ کس مقام پر آئے گی۔

اہل علم و تحقیق کے نزدیک یہی مؤقف درست ہے اور اس کے خلاف جتنی بھی روایات ملتی ہیں وہ یا تو موضوع ہیں اور یا پھر ان کی تاویل کی جاتی ہے۔ بے شمار دلائل سے اس مؤقف کو علمی طور پر ثابت کیا جاتا ہے۔ اس کے حق میں آنے والے تین دلائل پر آپ بھی غور فرمالیجیے کہ حق یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات و سور، سب کی ترتیب حضرت رسالت مآب ﷺ طے فرما کر دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔

دلیل نمبر ①

(ا) حضرت رسالت مآب ﷺ کی نماز تہجد کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ:

"صحیح بات یہ ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ پڑھی پھر سورۂ آل عمران پھر سورۂ النساء اور اس کے بعد سورۂ مائدہ کی تلاوت کی اور پھر رکوع کیا۔①

① والصواب: ثم قرأ البقرة وآل عمران والنساء والمائدة ثم ركع. (جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ما جاء في عبادة

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم کی ان سورتوں کی ترتیب کم سے کم یہی تھی، جو ترتیب آج ہمارے ہاتھوں میں محفوظ مصحف کی ہے۔ اسی لیے علامہ طاہر الجزائری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو جعفر النحاس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

> ''صحیح موقف یہ ہے کہ قرآن کریم کی جو ترتیب آج ہمارے پاس ہے، تمام سورتیں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی اسی ترتیب پر تھیں اور ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ مصحف کی یہ ایک ہی ترتیب ہے جس پر سب کا اتفاق ہو گیا تھا اور ابن حصار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ سورتوں اور آیات کو ان کے اپنے اپنے مقام پر ترتیب سے رکھ دینا یہ سب کام وحی الٰہی کے مطابق ہوا ہے۔ ①

(ب) صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

> ''سورۂ بنی اسرائیل سے لے کر سورۂ انبیاء تک کی تمام سورتیں تو انہوں نے اپنے قبول اسلام کے ابتدائی دور ہی میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کر لی تھیں۔'' ②

یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ سور قرآنی میں کوئی نہ کوئی ترتیب ضرور تھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اسی ترتیب کا ذکر کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی بیان کردہ ترتیب (سورۂ بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ اور انبیاء) آج بھی قرآن کریم میں قائم ہے۔ اسی لیے ''مناهل العرفان'' میں شیخ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر

النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ج: ٢، ص: ٩٥)

① المختار أن تأليف السور على هذا الترتيب من رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وإنما جمع في المصحف على شئ واحد. وقال ابن الحصار: ترتيب السور ووضع الآيات في مواضع إنما كان بالوحى. (التبيان لبعض المباحث المتعلقه بالقرآن، الفصل الرابع في جمع القرآن وترتيبه، الصلة الثانية، ص: ١١٠)

② حدثنا آدم، حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق قال: سمعت عبدالرحمن بن يزيد قال: سمعت ابن مسعود رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قال في بني إسرائيل والكهف، ومريم: إنهن من العتاق الأول وهن من تلادي. [الحديث ٤٧٠٨، طرفاه في] (صحيح البخاري، كتاب تفسير القرآن، سورة بني إسرائيل، رقم الحديث: ٤٧٠٨، ج: ٢، ص: ٢٦٦)

www.seerat.net

الانباری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

”قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل فرمایا۔ پھر اسی قرآن کے مختلف حصے تئیس برس میں نازل کیے گئے۔ جب بھی کوئی نیا واقعہ پیش آتا تھا تو اس کے مطابق وحی نازل کی جاتی تھی اور جب کوئی سوال پوچھتا تھا تو اس کے جواب میں بھی وحی نازل کی جاتی تھی اور حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتے جاتے تھے کہ یہ سورت کیسے مرتب ہوگی، آیات کس ترتیب سے رکھی جائیں گی اور قرآن کریم کے حروف کس ترتیب سے ہوں گے اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام کام سرانجام دیتے تھے۔ اس لیے اب اگر کوئی شخص قرآن کریم کی کسی بھی سورت کو ترتیب سے ہٹاتا یا آگے پیچھے کرتا ہے تو وہ قرآنی ترتیب میں خلل ڈالنے کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔“ ①

دلیل نمبر②

ہمارے اس مؤقف ـــــ ہمارا یہ قرآن اپنی سورتوں، آیات اور حروف کے اعتبار سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بحکم الٰہی مرتب فرما کر ہی دنیا سے تشریف لے گئے تھے ـــــ کی دوسری دلیل پر بھی آپ غور فرما لیجیے اور وہ یہ ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوا، اور اس سے قبل کا جو رمضان ۱۰ھ کا تھا، اس میں حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو مرتبہ آپ کو اور آپ نے دو مرتبہ اُنھیں مکمل قرآن حکیم سنایا۔ رمضان میں قرآن حکیم سنانے کا واقعہ اگرچہ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ پیش آ چکا تھا لیکن چونکہ آپ کی حیاتِ طیبہ کا یہ آخری رمضان تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا خاص اہتمام فرمایا کہ جس کتاب کو اس نے تا قیام قیامت باقی رکھنا ہے،

---

① أنزل الله القرآن إلى سماء الدنيا ثم فرّقه في بضع وعشرين سنة، فكانت السورة تنزل لأمر يحدث، والآية جواباً لمستخبر، ويقف جبريل عَلَيْهِ السَّلَامُ النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ علـى موضع السورة والآيات والحروف. كله من النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فمن قدم سورة أو أخرها أفسد نظم القرآن. (مناهل العرفان، المبحث التاسع في ترتيب اٰيات القران وسوره، ج: ۱، ص: ۳۱۶)

www.seerat.net

اس کی آیات، سور، ترتیب، تبدّل، تنسیخ کے تمام مراحل مکمل ہو جائیں اور یہ عظیم انعام اُمت مسلمہ کے حوالے کر دیا جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباري" میں اس روایت کا ذکر کیا ہے:

''حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال (رمضان میں، جتنا بھی قرآن اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا) حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سناتے تھے لیکن جس برس آپ کا انتقال ہونا تھا، آپ نے دو مرتبہ قرآن کریم اُنہیں سنایا۔①

ایسے ہی حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے بھی آپ کو دو مرتبہ قرآن حکیم سنایا:

''حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو (حضرت جبرئیل علیہ السلام نے) کئی مرتبہ قرآن حکیم سنایا تھا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ اب جس طرح ہم قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں، یہ اسی طرح ہے جیسے کہ آخری مرتبہ (عرضۂ اخیرہ) آپ کو قرآن کریم سنایا گیا تھا۔''②

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین کی اصطلاح میں یہ ''عرضۂ اخیرہ'' یعنی ''آخری دور'' کہلاتا ہے۔ ''دَور'' درحقیقت حفاظ کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دو حافظ حضرات ایک دوسرے کو زبانی طور پر قرآن حکیم سنائیں، تو یہ ''آخری دور'' یا ''عرضۂ اخیرہ'' حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے درمیان دو مرتبہ ہوا، اور قرآن کریم کی جو آیات منسوخ ہونا تھیں یا ہو چکی تھیں، آیات کی ترتیب اور سورتوں کی ترتیب یہ تمام مراحل اس طرح طے ہو گئے تھے۔ اسی لیے علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی ہے (جو کہ آج قرآن حکیم میں ہے) لوح محفوظ میں بھی قرآن حکیم انہی سورتوں

① أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعرض القرآن كل سنة على جبريل، فلما كان في السنة التي قبض فيها، عرضه عليه مرتين. (فتح الباري، كتاب: فضائل القرآن، باب: كان جبرئيل يعرض القرآن على النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٤٩٩٨، ج: ٩، ص: ٤٤)

② عرض القرآن على رسول الله صلى الله عليه وسلم عرضات، ويقولون إن قراء تنا هذه هي العرضة الأخيرة. (فتح الباري، كتاب: فضائل القرآن، باب: كان جبرئيل يعرض القرآن على النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٤٩٩٨، ج: ٩، ص: ٤٤)

www.seerat.net

کے مطابق ہے اور سورتوں کی یہی وہ ترتیب ہے جس کے مطابق
حضرت رسالت مآب ﷺ جتنا بھی قرآن حکیم نازل ہو چکا ہوتا تھا،
حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو سناتے تھے اور یہاں تک کہ جس سال
آپ کا انتقال ہوا ہے، آپ نے سورتوں کی اسی ترتیب کے مطابق
قرآن حکیم انہیں سنایا تھا۔'' ①

ان تمام تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور انہوں نے آپ کو جو قرآن کریم سنایا تھا تو وہ ایک ''مرتب قرآن'' تھا۔ اس میں سورتوں کی بھی اپنی ایک ترتیب تھی۔ پھر اسی ترتیب کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اس ''مرتب قرآن'' کے مطابق کئی نسخے تحریر کروا کر پوری اُمت میں پھیلائے اور اپنے زیر خلافت علاقوں کے مرکزی شہروں میں یہی ''مرتب قرآن'' تقسیم کروائے۔ حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وہ قرآن کریم جس پر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم اور پوری اُمت کو متفق کر دیا تھا، وہ قرآن اسی ترتیب کے
مطابق تھا جو آخری دور میں حضرت رسالت مآب ﷺ نے حضرت
جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور انہوں نے آپ کو سنایا تھا۔'' ②

یہی قرآن کریم بغیر کسی ادنیٰ ترمیم واضافے یا تغیر وتبدل کے قرناً بعد قرن اور نسلاً بعد نسل ہمارے آباؤ اجداد تک پہنچا، اور پھر یہی مرتب قرآن آج ہمیں جدید دور میں مطبوعہ (Printed) صورت میں ملتا ہے اور اس طباعت (Printing) نے اس ''مرتب قرآن'' کو اب اتنا پھیلا دیا ہے کہ اس کے مٹنے کے تو درکنار، تغیر تک کے آثار معدوم ہو گئے ہیں۔ کیا ہمارے مؤقف کی صحت کے لیے یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ سور قرآنی کی ''موجودہ ترتیب'' بحکم الٰہی حضرت رسالت مآب ﷺ ہی کی ''ترتیب دادہ'' ہے۔

---

① وهكذا هو عند اللّٰه وفي اللوح المحفوظ، وهو على هذا الترتيب كان يعرض عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ على جبريل كلّ سنة ما كان يجتمع عنده منه وعرضه عليه في السنة التي توفي فيها مرتين. (البرهان في متشابه القرآن، سورة البقرة، ص: ١١٥)

② أن الذي جمع عليه عثمان الناس يوافق العرضة الأخيرة. (فتح الباري، كتاب فضائل القرآن،رقم: ٤٩٩٧ ج: ٩، ص: ٤٤)

ہمارے اس مؤقف پر کوئی قاری یہ اعتراض بھی کرسکتا ہے کہ جب قرآن کریم بالکل مرتب تھا تو حضرت صاحب الوحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے باقاعدہ لکھوا کیوں نہ دیا تھا؟ تو اس کا جواب علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے، فرماتے ہیں:

> ''حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو باقاعدہ کتابی صورت میں اس لیے تحریر نہیں کروایا کہ اس بات کا امکان آپ کی حیات طیبہ کے آخری سانس تک موجود تھا کہ شاید کوئی مزید وحی آجائے جو کہ پہلے سے نازل شدہ کسی آیت یا حکم یا تلاوت کو منسوخ کردے۔ لیکن جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم کام خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو الہام فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے جو حفاظت قرآن کریم کی ذمہ داری لی تھی اور اس اُمت کا فریضہ ٹھہرایا تھا، اس کا آغاز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھوں سے ہوا اور قرآن کریم کو اس طرح کتابی صورت میں لانے کا مشورہ انہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔'' ①

دلیل نمبر ③

ہمارے مؤقف ـــــ موجودہ قرآن کریم کی ترتیب وہی ہے جو بحکم الٰہی، حضرت صاحب الوحی والرسالۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طے کی تھی ـــــ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ قرآن کریم میں ترتیب سور میں کچھ ترتیب تو بحکم الٰہی، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور کچھ ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد ہے (جیسا کہ اُمت کے بعض اہل علم کا مؤقف ہے) یا یہ فرض کر لیتے ہیں کہ تمام سور قرآنی کی ترتیب اس قرن اُولیٰ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد ہی ہے، تو ان دونوں سورتوں میں اتنی بات تو بالکل ظاہر ہے کہ وہ مصحف جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ترتیب دیا تھا اور پھر اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری اُمت میں تقسیم کروایا تھا، اس مصحف پر تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا تھا۔ اس وقت کے تمام افراد وقبائل

---

① إنما لم يجمع صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ القرآن في المصحف؛ لما كان يترقبه من ورود ناسخ لبعض أحكامه أو تلاوته، فلما انقضى نزوله بوفاته ألهم اللّٰه الخلفاء الراشدين ذلك، وفاء بوعده الصادق بضمان حفظه على هذه الأمة، فكان ابتداء ذلك على يد الصديق بمشورة عمر. (الاتقان، النوع الثامن عشر في جمعه وترتيبه، ج: ۱، ص: ۲۰۲)

نے اس مصحف کو قبول کرلیا تھا تو اس میں بھی تو ترتیب سُوَر وہی تھی جو کہ آج کل ہمارے ہاتھوں میں موجود قرآن کریم کی سُوَر کی ہے۔

سو جب اُمت نے اس مصحف پر اتفاق واجماع کرلیا تو کیا اب قیامت تک کسی کے لیے یہ درست ہے کہ اس اجماع کو توڑ دے اور کسی نئی ترتیب کی دعوت دے۔

اس ترتیب کے علاوہ کسی ترتیب پر قائم رہنا تو دورِ عثمانی ہی میں ختم ہو گیا تھا، اب اس دور میں تو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کی ایک اپنی ترتیب تھی اور جب خلیفہ وقت امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس موجودہ مصحف پر اُمت کو جمع کر دیا تو انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی تحریر فرمایا کہ:

> ”وہ اپنے مصحف کی ترتیب کو ختم کر کے اسی مصحف کی طرف لوٹیں جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع کرلیا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نہایت دانشمندی کا ثبوت دیا۔ اپنے تردّد اور اصرار کو چھوڑ کر اسی ترتیب کو قبول فرما لیا جو خلافت کی طرف سے جاری کردہ قرآن کریم میں تھی اور ”عرضہ اخیرۃ“ میں جسے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو مرحمت فرمایا تھا۔“ ①

حضرت امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے مصحف کی ترتیب سے رجوع فرما لیا تھا اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر ان کے نزدیک اس مصحف عثمانی کی ترتیب میں کوئی بھی قابل اعتراض بات ہوتی تو وہ اپنے دورِ خلافت میں اس اعتراض کو ضرور دور فرماتے اگر چہ اس کاوش میں ان کی جان ہی چلی جاتی۔ لیکن وہ ہمیشہ مصحف عثمانی ہی پر قائم رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے اس ابتدائی دور میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود اپنی مرضی اور اجتہاد سے، خود اپنی سہولت کے لیے اگر چہ قرآن کریم کے بعض نسخے علمی طور پر مختلف

① وقد روي عن ابن مسعود أنه تعتب لما أخذ منه مصحفه فحرق، وتكلم في تقدم إسلامه على زيد بن ثابت الذي كتب المصاحف، وأمر أصحابه أن يغلوا مصاحفهم، وتلا قوله تعالى: ﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ فكتب إليه عثمان رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يدعوه إلى اتباع الصحابة فيما أجمعوا عليه من المصلحة في ذلك، وجمع الكلمة، وعدم الاختلاف، فأناب وأجاب إلى المتابعة وترك المخالفة رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أجمعين. (البداية والنهاية، سنة خمس وثلاثين وفيها قتل عثمان بن عفان رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، الفصل: فصل في طائفة من مناقبه، ج: ٧، ص: ٢١٧)

www.seerat.net

غلاموں سے لکھوا لیے تھے لیکن جب خلافت کا رقبہ اور آبادی بڑھی اور ہر طرف سے قرآن کریم طلب کیا جانے لگا، تو اب ضرورت پیش آئی کہ اس نسخے کو عام کیا جائے جو "عرضۂ آخیرہ" کے مطابق تھا اور اس میں پہلے تین خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی کاوشیں شامل تھیں چنانچہ وہی نسخہ اس وقت خلافت کی طرف سے عام ہوا، اور اب تک اُمت اسی پر متفق ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع خود ایک مستقل دلیل ہے اور اس اجماع کو اب توڑنا یقیناً بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ شیخ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیسی وزنی بات تحریر فرمائی ہے:

> "اس بحث سے ہٹ کر سور قرآنی کی ترتیب منجانب اللہ تھی یا اجتہاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بناء پر تھی، اب یہ ضروری ہے کہ ہم اس ترتیب کو قائم رکھیں، اور خاص طور پر جب قرآن لکھا جائے تو اس ترتیب کا قائم رکھنا تو اور بھی ضروری ہے اس لیے کہ اس ترتیب پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے۔ اور ان کا اجماع دین کی بہت بڑی دلیل (حجۃ) ہے۔ اگر کوئی شخص ان کے اجماع کو توڑے گا تو وہ ایک فتنہ برپا کرے گا اور جو عمل فتنوں کو جگانے اور اُمت میں فساد پیدا کرنے کا سبب بنے، تو ایسے عمل سے بچنا ہمیشہ ضروری ہے۔" ①

یہ ہے ہمارے مؤقف کی تیسری دلیل، اور علامہ عبدالعلی محمد بن نظام الدین السہالوی، بحر العلوم، رحمۃ اللہ علیہ نے تو فتویٰ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ:

> "اہل السنۃ والجماعت جو کہ اہل حق اور اہل بدعت کی کمر توڑ کر رکھ رینے والے ہیں، ان کا اجماع ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں میں آیات کی جو ترتیب ہے، یہ ترتیب خود اللہ تعالیٰ نے ہی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی ہے اور پھر ان کے حکم سے قرآن کریم

---

① وسواء كان ترتيب السور توقيفياً أم اجتهادياً فإنه ينبغي احترامه، خصوصاً في كتابة المصاحف، لأنه عن إجماع الصحابة، والإجماع حجة، ولأن خلافه يجرُّ إلى الفتنة، ودرء الفتنة وسد ذرائع الفساد واجب. (مناهل العرفان، المبحث التاسع في ترتيب آيات القرآن وسوره، احترام هذا الترتيب، ص: ۳۱۹)

www.seerat.net

> ایسے ہی تحریر کیا گیا، اوراس دور سے لے کر آج تک یہ ترتیب امت میں متواتر چلی آ رہی ہے اور یہ امت کا ایسا اجماع ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔①

پھر اگلے صفحے پر تحریر فرماتے ہیں:

> ”یہ جو قرآنی سورتوں اور پھر ان میں آیات کی ترتیب ہے، یہ ترتیب قطعی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے، اور صدر اول سے لے کر آج تک یہ دونوں ترتیبیں متوارث اور متواتر چل ری ہیں اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سورۂ توبہ اور سورۂ انفال کی ترتیب کو تحریر کروایا تھا تو تمہیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی قرآن کریم کی یہی ترتیب ہے۔ صرف اتنی سی بات ہے کہ انہوں نے ان دونوں سورتوں کے درمیان تسمیہ تحریر نہیں کروایا۔②

اس بحث کا اصل میدان تو علوم القرآن ہے لیکن بعض وجوہ سے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اس بحث کو اختصاراً کچھ نہ کچھ یہاں بھی نمٹا لیا جائے۔

دوسرا سوال اسماء سور؟

دوسرا سوال —— جس کا اصل تعلق تو علوم القرآن سے ہے —— یہ اُٹھتا ہے کہ سُوَرِ قرآنی کے اسماء کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیے گئے ہیں یا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متعین فرما دیا تھا؟ یا بہ الفاظ دگر یہ اسماء

① أجمع أهل الحق -أعني أهل السنة والجماعة القاصمين للبدعة- على أن ترتيب آي كل سورة توقيفي بأمر الله وبأمر الرسول صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وآله وأصحابه وسلم، وعلى هذا انعقد الإجماع لا شبهة فيه، وتواتر بلاشبهة عنه صلوات الله عليه وعلى آله وأصحابه. (فواتح الرحموت شرح مسم الثبوت الأصل الأول: الكتاب، تتمة، ج: ٢، ص: ١٤)

② فقد وضح وبان لك أن هذا الترتيب المتوارث المتواتر بلا شبهة فيما بين الآيات والسور من عند الله تعالى قطعا، وعلمت أن براءة موضعها هذا الذي وضعت فيه من عند الله تعالى قطعاً، إلا أنه لم يؤمر بكتابة بسم الله الرحمن الرحيم. (فواتح الرحموت شرح مسم الثبوت الأصل الأول: الكتاب، تتمة، ج: ٢، ص: ١٥)

www.seerat.net

توقیفی ہیں یا یہ کہ قرآن کریم کی مختلف سورتوں کے نام رکھنے کا حق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والی اُمت کو حاصل ہے اور سورتوں کے نام تجویز کرنا، ایک امر اجتہادی ہے۔

علماءِ اُمت کا ایک گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کے نام توقیفی ہیں اور اجتہادی طور پر سورتوں کے نام تجویز نہیں کیے گئے، امام بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی (۷۴۵ھ۔۷۹۴ھ) کی رائے تو یہ ہے کہ:

> ''اور یہ بحث کرنا بھی مناسب ہے کہ قرآنی سورتوں کے نام متعدد کیوں ہیں؟ کیا یہ توقیفی ہیں یا پھر جس سورت میں جو مضمون آیا ہے اس مناسبت سے یہ نام رکھے گئے ہیں؟ اگر ہم دوسرا مؤقف لیتے ہیں تو پھر ہر سورت میں متعدد علوم ومعانی مل جاتے ہیں اس طرح ہر ذہین انسان، ہر سورت کے معانی اور علوم کے تقاضے کے مطابق ہر سورت کا ایک نام تجویز کر سکے گا اور یہ مؤقف صحیح راہ سے دور ہے۔'' ①

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف بھی یہی ہے، فرماتے ہیں:

> ''اور یہ بات طے ہے کہ قرآنی سورتوں کے نام احادیث اور آثار پر ہی موقوف ہیں اور اگر اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ یہ بحث طوالت اختیار کرے گی تو میں یہ مؤقف مزید واضح طور پر تحریر کرتا۔ ②

دوسرا مؤقف علماء اُمت کا یہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام سورتوں کے نام اجتہادی ہیں اور یہی مؤقف زیادہ درست ہے۔ اس کے زیادہ درست ہونے کے متعدد دلائل ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

① اہل عرب کا کسی بھی چیز یا واقعے کا نام رکھنے کا ایک اپنا انداز تھا۔ اور وہ یہ کہ وہ جب بھی کسی چیز میں ندرت

① وينبغي البحث عن تعداد الأسامي: هل هو توقيفي أو بما يظهر من المناسبات؟ فإن كان الثاني فلن يعدم الفطن أن يستخرج من كل سورة معاني كثيرة تقتضي اشتقاق أسمائها وهو بعيد. (البرهان، النوع الرابع عشر، خاتمه في تعداد أسماء السور، ج: ۱، ص: ۲۷۰)

② وقد ثبت أسماء السور بالتوقيف من الأحاديث والآثار، ولولا خشية الإطالة لبينت ذلك. (الاتقان، النوع السابع عشر في معرفة أسماء سوره، فصل في أسماء السور، ج: ۱، ص: ۱۸۶)

www.seerat.net

یا اُس میں کوئی خاص بات پاتے تھے، تو پھر اس چیز یا واقعے کو اسی خاص بات کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں گائے کا قصہ آیا ہے پھر گائے کی پرستش اور اس کے متعلق مختلف باتیں آئیں، جن کا گائے میں ہونا بہت عجیب تھا تو پھر اس سورت کو گائے (البقرۃ) کے نام سے معنون کر دیا گیا۔ سورۂ نساء میں چونکہ بار بار عورتوں اور ان سے متعلقہ احکامات کا تذکرہ آیا ہے، تو اس سورت کو اجتہادی طور پر سورۃ النساء یعنی عورتوں سے متعلق احکامات وواقعات کی سورت قرار دے دیا گیا۔ ایسے ہی قرآن کریم کی چونکہ اور کسی سورت میں مائدۃ (دسترخوان) کا تذکرہ نہیں ملتا اور وہ صرف یہیں پر ہے تو اس سورت کا نام ''سورۃ المائدۃ'' رکھ دیا گیا۔ عربوں کا اور پھر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم تک سب کا مزاج آپ یہی پائیں گے کہ وہ قرآن کریم کی کسی بھی سورت کا نام انہی مناسبات کی وجہ سے تجویز کرتے رہے۔ اور ان تمام ناموں کا انتخاب اور تعین ان کا اپنا اجتہاد تھا نہ کہ وحی الٰہی نے انہیں کسی اصول اور قاعدے کا پابند بنایا تھا۔

② کتاب وسنت اور آثار میں ہمیں کوئی روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تمام قرآنی سورتوں کے نام حتمی قرار دے دیئے ہوں اور یا پھر اس بات ہی سے منع فرما دیا ہو کہ جن ناموں کو رکھا جا رہا ہے تو کسی کو بھی اجتہادی طور پر یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی بھی سورۂ مبارکہ کا نام خود سے تجویز کر سکے۔

بلکہ اس کے برعکس متعدد روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ جس طرح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کے نام تجویز فرمائے ہیں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہی اپنے اجتہاد سے مختلف سورتوں کے مختلف نام تجویز فرمایا کرتے تھے۔ اس بات پر نہ تو کوئی صحابی رضی اللہ عنہ کسی اور کو ٹوکتا تھا اور نہ ہی کوئی شخص نام رکھنے میں کوئی دشواری یا قباحت خیال کرتا تھا۔ بات اس سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے اور قرآنیات ہی کی مستند کتابوں میں یہ بھی بآسانی ملتا ہے کہ حضرات تابعین اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس لیے اگر یہ معاملہ توقیفی ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر سلف صالحین، تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم تک کوئی تو ان اجتہادی ناموں پر نکیر کرتا۔ لیکن معاملہ ایسے نہیں ہوا اس لیے یہ مؤقف صحیح تر معلوم ہوتا ہے کہ سور قرآنی کے اسماء اجتہادی ہیں۔

③ سورۃ التوبہ قرآن کی مشہور سورت ہے اور جتنے بھی مصاحف اب طبع ہوتے ہیں، ہر ایک میں اس سورۂ مبارکہ

کا یہی نام ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی سورت کا نام "سُوْرَۃُ الْفَاضِحَۃ" تجویز فرمایا۔ ان کے شاگرد حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

"میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ کیا یہ سورۂ توبہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا سورۂ توبہ کیا؟ وہ سورۂ فاضحہ (رسوا کر دینے والی) ہے۔ وہ تو برابر اس بیان میں نازل ہوتی رہی کہ فلاں گروہ ایسا ہے اور فلاں ایسا ہے یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوچا کہ شاید اب کوئی گروہ ایسا باقی نہیں رہے گا جس کی رسوائی اس سورت میں نہ کر دی جائے۔"①

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ توبہ کا نام "سورۂ فاضحہ" رکھا۔ اسی مقام پر اگلی روایت دیکھیں تو حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اٹھائیسویں پارے کی مشہور سورت "سورۃ الحشر" کا تذکرہ کرتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورۂ حشر نہیں بلکہ "سورۃ بني النضیر" ہے۔
"فردوس الأخبار" میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں سورۂ بقرہ کا نام "فسطاط القرآن" آیا ہے۔②
اس سلسلے میں کچھ تفصیلات علامہ عبدالرؤف المناوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فیض القدیر" جو کہ درحقیقت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الجامع الصغیر" کی شرح ہے، میں حرف السین، رقم الحدیث: ۴۸۴۱، ج: ۴، ص: ۱۴۹ کے ضمن میں تحریر کی ہیں، جنہیں اصل کتاب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔③

---

① عن سعيد بن جبير قال: قلت لابن عباس سورة التوبة؟ قال التوبة هي الفاضحة، مازالت تنزل: ومنهم، حتى ظنوا أنها لم تبق أحدا منهم إلا ذكر فيها. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة الحشر:٥٩، رقم الحديث: ٤٨٨٢، ج: ٦، ص: ٦٨)

② أبو سعيد: السورة التي تذكر فيها البقرة فسطاط القرآن فتعلموها؛ فإن تعلمها بركة وتركها خسرة لايستطيعها البطلة. (فردوس الأخبار، باب السين، ذكر الفصول من أدوات الألف واللام، فصل، رقم: ٣٣٧٦)

③ (السورة التي يذكر فيها البقرة فسطاط القرآن) أي: مدينة الجامعة لاشتمالها على أمهات الأحكام ومعظم أصول الدين وفروعه والإرشاد إلى كثير من مصالح العباد ونظام المعاش ونجاة المعاد، وفي الفردوس فسطاط القرآن: معظم سوره وكل مدينة فيها مجتمع الناس تسمى فسطاطا (فتعلموها) ندبا مؤكدا (فإن تعلمها بركة وتركها حسرة) على تاركها (ولا تستطيعها) أي: ولاتستطيع تعلمها أو قرائتها أو إدامة ذلك (البطلة) أي السحرة كذا فسره في الفردوس جمع باطل سموا

④ حضرات تابعین رحمہم اللہ بھی مختلف سورتوں کے نام تجویز فرمایا کرتے تھے چنانچہ سنن سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ میں آتا ہے کہ حضرت ابوعطاف ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، سورۂ ال عمران کے متعلق یہ بتاتے تھے کہ تورات میں اس سورت کا نام سورۂ طیبہ تھا۔①

اب تورات میں یہ سورت کس طرح سے تحریر تھی اس کی تحقیق نہیں مل سکی، ہوسکتا ہے کہ وہاں کی تیسری سورت کا نام سورۂ طیبہ ہو اور یہاں قرآن کریم میں تیسری سورت کا نام ال عمران ہے۔ یا پھر یہ کہ اس سورۂ ال عمران کے مضامین کو اس سورۂ طیبہ کے مضامین سے کوئی مناسبت ہو۔ بہرحال وہ سورۂ ال عمران کا ایک اور نام، تورات کے حوالے سے سورۂ طیبہ ذکر کرتے ہیں۔

"التحبير في علم التفسير" میں حضرت امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ سورۂ بقرہ کو "فسطاط القرآن" کے نام سے یاد کرتے تھے۔②

یہ حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ اہل شام کے امام اور ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت سے مشرف، صاحب کرامت تابعین میں سے تھے۔③ روزانہ تلاوت قرآن کریم کے علاوہ چالیس ہزار مرتبہ تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ روزے ہی کی حالت میں ١٠٣ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو انہیں غسل کے لیے تخت پر لٹایا گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ہاتھ کی وہ انگلی جس سے تسبیح پڑھا کرتے تھے، تسبیح پڑھنے ہی کی طرح اب بھی حرکت کر رہی تھی۔④ یہ ان کی کرامت تھی۔ اب یہ سورۂ بقرہ کا نام "فسطاط القرآن" کیوں تجویز فرماتے تھے؟ شاید اس لیے

بذلك لأنهما كهم في الباطل أو لبطلانهم عن أمر الدين، أو معنى عدم استطاعتهم لها أنهم مع حذقهم لا يوفقون لتعلمها أو التأمل في معانيها أو العمل بما فيها، وقيل: المراد أنها من المعجزات التي لايقدر الساحر أن يعارضها بالسحر بخلاف المعجزات المحسوسة فإنه قد يمكن الساحر محاولة معارضها بالسحر، وقال الطيبي: المراد السحرة من الموحدين وأرباب البيان كقوله: إن من البيان لسحرا. (فيض القدير، حرف السين، رقم الحديث: ٤٨٤١، ج: ٤، ص:١٤٩)

① عن أبي عطاف قال: اسم آل عمران في التوراة: طيبة. (تفسير ال عمران، رقم الحديث: ٥٥٣، ج: ٣، ص:١١٣٨)

② وسمي خالد بن معدان البقرة: فسطاط القرآن. (التحبير في علم التفسير، النوع الخامس والتسعون تسمية السور، ص: ٣٦٩)

③ أدركت سبعين من أصحاب النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (سير أعلام النبلاء، رقم: ٢١٦، ج: ٤، ص: ٥٣٨)

④ عن سلمة بن شبيب، قال كان خالد بن معدان يسبح في اليوم أربعين ألف تسبيحة سوى ما يقرأ من القرآن؛ فلما مات، فوضع على سريره ليغسل، جعل بأصبعه كذا يحركها يعني بالتسبيح. (سير أعلام النبلاء، ج: ٤، ص: ٥٤٠) (ايضاً ص: ٥٣٦ تا ٥٤١)

www.seerat.net

کہ انہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی وہ روایت پہنچی تھی جس کا تذکرہ ص ـــــ پر گذر چکا ہے، یا یہ کہ اس زمانے میں سورۂ بقرہ کا ایک یہ نام بھی مشہور ہوگا۔ واللّٰہ أعلم بحقیقة الحال.

⑤ یہ مؤقف کہ ـــــ اسماءِ سور توقیفی نہیں بلکہ اجتہادی تھے ـــــ کی تائید اُن روایات سے بھی ہوتی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تبع تابعین بھی سور قرآنی کے نام تجویز فرمایا کرتے تھے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۹۴ھ میں ہوئی تھی اور یہ وہ دور تھا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کا سورج غروب ہو رہا تھا، اس لیے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی بھی زیارت نہ کر سکے تھے، کہ انہیں تابعیت کا مقام مل جاتا لیکن انہوں نے تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا دور بھرپور طریقے سے دیکھا اور بکثرت، نہ صرف یہ کہ ان کی زیارت کی بلکہ ان کے ہوتے ہوئے ہی، مرتبہ امامت پر فائز ہوگئے اس لیے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں سے تھے، وہ قرآن کریم کی سورۃ الشعراء کا نام ''سورۃ الجامعہ'' تجویز فرماتے تھے۔① اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تبع تابعین بھی اسماءِ سور تجویز فرماتے تھے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۸ھ ـــــ ۱۰۷ھ) کے مقام کا کیا کہنا، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم جیسے اکابر آئمہ ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ اپنے درجے کے اعتبار سے وہ تبع تابعین میں سے تھے۔ اور انہوں نے ''سورۃ الفاتحہ'' کا نام ''الوافیہ'' رکھا تھا۔②

ایسے ہی یہ یحیٰی بن کثیر بن درھم العنبر ی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ۲۰۵ھ یا ۲۰۶ھ کے بعد انتقال ہوا۔ اور اس سے پہلے جو اُن کی زندگی کا دور ہے تو وہ تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے عروج کا دور ہے۔ عالم اسلام کے ایک ایک شہر میں وہ ہزاروں کی تعداد میں حیات تھے اور یہ ہمارے ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے بکثرت ان کی زیارت کی ہے۔ یہ سورۃ الفاتحہ کا نام ''سورۃ الکافیہ'' تجویز فرماتے تھے۔③

اب تبع تابعین میں ایسے ثقہ، متدین، امام حدیث اور کتاب وسنت پر گہری نظر رکھنے والے افراد بھی جب مختلف

---

① ووقع في تفسير مالك المروي عنه تسميتها: سورة الجامعة. (تفسير ابن كثير، سورة الشعراء، ج: ٤، ص: ٦١٨)

② وسمى سفيان بن عيينة الفاتحة: الوافيه. (التحبير في علم التفسير للسيوطي، النوع الخامس والتسعون، ص: ٣٢٩)

③ وسماها يحيى بن أبي كثير: الكافية؛ لأنها تكفي عما عداها. (التحبير في علم التفسير للسيوطي، النوع الخامس والتسعون، ص: ٣٢٩)

www.seerat.net

سورتوں کے نام اجتہادی طور پر تجویز فرمادیا کرتے تھے، تو یہ ہمارے مؤقف ہی کی دلیل ہے کہ اسماء سور قرآنی توقیفی نہیں، اجتہادی ہیں۔

اب اس بحث کے آخر پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو فوائد بھی ذکر کر دیئے جائیں۔

① پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ مندرجہ بالا بحث سے جب یہ معلوم ہو چکا کہ سورتوں کے نام اجتہادی ہیں تو اب مختلف سورتوں کے جو نام مفسرین نے تحریر فرمائے ہیں ان کی بھی ایک فہرست دے دی جائے۔

① سورۃ الفاتحہ ——— اس سورۂ مبارکہ کے، اس نام کے علاوہ مزید ستائیس نام ہیں، جن کی تفصیل ہم نے ذکر کر دی ہے۔

② سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران دونوں کو ملا کر ان کا ایک نام صحیح حدیث میں ''الزھراوین'' آیا ہے۔

③ سورۂ آل عمران ——— سورۂ طیبہ

④ سورۃ النساء ——— سورۃ النساء الطّولی

⑤ سورۃ المائدۃ ——— سورۃ العقود

⑥ سورۃ الانفال ——— سورۂ بدر

⑦ سورۃ التوبۃ ——— (۱) سورۂ براۃ (۲) سورۃ الفاضحہ (۳) سورۃ المُنَقِّرَۃ

⑧ سورۃ النحل ——— سورۃ النعم

⑨ سورۃ بنی اسرائیل ——— (۱) سورۃ الاسراء (۲) سورۂ سبحان

⑩ سورۃ مریم ——— سورۃ کٓھٰیٰعٓصٓ

⑪ سورۃ طٰہٰ ——— سورۃ موسیٰ علیہ السلام

⑫ سورۃ المومنون ——— سورۃ قد افلح المومنون

⑬ سورۃ النمل ——— سورۂ سلیمان علیہ السلام

⑭ سورۃ فاطر ——— سورۃ الملائکہ

⑮ سورۃ صٓ ——— سورۃ داؤد علیہ السلام

⑯ سورۃ الزمر——— سورۃ الغرف

⑰ سورۃ المومن———(۱) سورۂ غافر (۲) سورۃ الطّول

⑱ سورۂ حم السجدہ———(۱) سورۂ فصلت (۲) سورۃ المصابیح

⑲ سورۃ الشوریٰ——— سورۃ حم عسق

⑳ سورۃ الجاثیہ——— سورۃ الشریعۃ

㉑ سورۂ محمد ﷺ——— سورۃ القتال

㉒ سورۃ القمر——— سورۂ اقتربت

㉓ سورۃ الحشر——— سورۂ بنی النضیر

㉔ سورۂ ممتحنہ——— سورۃ الامتحان

㉕ سورۃ الصّف——— سورۃ الحواریّین

㉖ سورۃ الطلاق——— سورۃ النساء القصریٰ

㉗ سورۃ التحریم——— سورۂ لم تحرم

㉘ سورۃ الملک——— سورۂ تبارک

㉙ سورۃ المعارج——— سورۂ سأل سائل

㉚ سورۃ الجن——— سورۂ قل اوحی

㉛ سورۃ الدھر———(۱) سورۃ الانسان (۲) سورۂ ھل اتی

㉜ سورۃ النباء——— سورۂ عَمَّ

㉝ سورۃ الاعلیٰ——— سورۂ سبح

㉞ سورۃ العلق——— سورۂ اقراء

㉟ سورۃ البینۃ———(۱) سورۃ اھل الکتب (۲) سورۂ لم یکن (۳) سورۃ القیمۃ

㊱ سورۃ الزلزلۃ——— سورۃ اذا زلزلت

www.seerat.net

www.seerat.net

۳۷ سورۂ تکاثر———سورۂ اَلْھٰکُم

۳۸ سورۃ الماعون———سورۃ أرایت

۳۹ سورۃ الاخلاص———سورۃ الاساس

۴۰ سورۃ الفلق اورسورۃ الناس———ان دونوں سورتوں کو ملا کر مُعَوِّذَتَیْن بھی کہا جاتا ہے اور اگر ان دونوں سورتوں کے ساتھ دو مزید سورتیں (۱) قل یاایھا الکفرون (۲) قل ھواللہ احد کو بھی ملا لیا جائے تو ہمارے ہاں یعنی برصغیر میں یہ چاروں سورتیں ''چار قل'' بھی کہلاتی ہیں کیونکہ ان چاروں سورتوں کا آغاز لفظ ''قل'' سے ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کبھی ایک ہی سورت کے متعدد نام ہوتے ہیں۔ اب اس تصویر کا دوسرا رُخ بھی ملاحظہ ہو کہ کبھی بہت سی سورتوں کو ایک ہی نام سے جمع کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ ''الٓمّٓ والی سورتیں'' تو اس سے مراد قرآن کریم کی وہ تمام سورتیں ہیں جو کہ ''الٓمّٓ'' کے مقطعات سے شروع ہوتی ہیں اور وہ مندرجہ ذیل چھ سورتیں ہیں۔

۱ سورۃ البقرۃ:۲، پ:۱، اس سورت کا آغاز ﴿الٓمّٓ ذٰلك الكتب لا ريب فيه﴾ سے ہوتا ہے۔

۲ سورۂ آل عمران:۳، پ:۳، اس سورت کا آغاز ﴿الٓمّٓ الله لا اله الا هو الحى القيوم﴾ سے ہوتا ہے۔

۳ سورۃ العنکبوت:۲۹، پ:۲۰، اس سورت کا آغاز ﴿الٓمّٓ احسب الناس ان يتركوا ان يقولوا أمنا﴾ سے ہوتا ہے۔

۴ سورۃ الروم:۳۰، پ:۲۱، اس سورت کا آغاز ﴿الٓمّٓ غلبت الروم﴾ سے ہوتا ہے۔

۵ سورۂ لقمان:۳۱، پ:۲۱، اس سورۂ مبارکہ کا آغاز ﴿الٓمّٓ تلك أيت الكتب الحكيم﴾ سے ہوتا ہے۔

۶ سورۃ السجدہ:۳۲ اور پ:۲۱، اس سورۂ مبارکہ کا آغاز ﴿الٓمّٓ تنزيل الكتب لا ريب فيه من رب العلمين﴾ سے ہوتا ہے۔

اس طرح کی دوسری مثال ''مسبِحاَت سبعه'' ہیں۔

''مسبِحاَت سبعه'' قرآن کریم کی وہ سات ایسی سورتیں ہیں جن کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے ہوتا ہے۔ ان ساتوں سورتوں کی پہلی آیت کا پہلا لفظ ہی ایسا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ہر عیب سے پاک ہونے اور اُس

ذات اقدس کے بے عیب ہونے کا ذکر ہے۔مندرجہ ذیل نقشے سے قرآن کریم میں ان ساتوں سورتوں کو آسانی سے تلاش کیا جاسکتا ہے۔

مُسَبِّحَاتِ سبعه

(وہ سات سورتیں جن کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے ہوتا ہے)

نمبر شمار	سورت	پارہ	آیات
1	بنی اسرائیل	15	111
2	الحدید	27	29
3	الحشر	28	24
4	الصّف	28	14
5	الجمعہ	28	11
6	التغابن	28	18
7	الاعلیٰ	30	19

مندرجہ بالا نقشے پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان مسبحات سبعہ میں سے

پہلی سورت: سورۂ بنی اسرائیل:۱۷،پ:۱۵، ہے اور اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ (پاک ہے وہ ذات)

دوسری سورت: سورۂ حدید:۵۷،پ:۲۷ ہے اور اس کا آغاز سَبَّحَ لِلّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کی) سے ہوتا ہے۔

تیسری سورت: سورۂ حشر:۵۹،پ:۲۸ ہے اور اس کا آغاز بھی سَبَّحَ لِلّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کی) سے ہوتا ہے۔

چوتھی سورت: سورۃ الصّف:۶۱،پ:۲۸ ہے اور اس کا آغاز بھی سَبَّحَ لِلّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کی) سے ہوتا ہے۔

www.seerat.net

پانچویں سورت: سورۂ جمعہ:۶۲،پ:۲۸ ہےاوراس کا آغاز بھی یُسَبِّحُ لِلّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بھی بیان کرتے ہیں) سے ہوتا ہے۔

چھٹی سورت: سورۂ تغابن:۶۴،پ:۲۸ ہےاوراس کا آغاز بھی یُسَبِّحُ لِلّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں) سے ہوتا ہے۔

ساتویں سورت: سورۂ اعلیٰ:۸۷،پ:۳۰ ہےاوراس کا آغاز سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی (اپنے پروردگار کی پاکیزگی بیان کیجیے جس کی شان سب سے اونچی ہے) سے ہوتا ہے۔

یہ ساتوں سورتیں "مُسَبِّحَاتِ سبعہ" کہلاتی ہیں۔انسان کو چاہیے کہ رات کو سونے سے پہلے ان ساتوں سورتوں کو پڑھ کر سویا کرے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ رات کو سونے سے پہلے ان ساتوں سورتوں کو پڑھ کر،آرام فرمایا کرتے تھےاور یہ بھی ارشادفرمایا کرتے تھے کہ ان "مُسَبِّحَاتِ سبعہ" میں ایک آیت کریمہ ایسی ہے جس کا پڑھنا،قرآن کریم کی ایک ہزار آیات کے پڑھنے سے بہتر ہے۔①

یہ آیت کون سی ہے؟اس کے بارے میں مختلف علماء کی مختلف آراء ہیں لیکن ہمت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس ایک آیت کی جستجو کی بجائے ان "مُسَبِّحَاتِ سبعہ" کو روزانہ رات کو پڑھنے کا معمول بنالیں تا کہ اُس آیت کریمہ کی برکات اورثواب کو بھی حاصل کریں اوراس ایک آیت کےعلاوہ بقیہ تلاوت کا ثواب بھی پائیں۔

تیسری مثال "طواسین" ہیں اوران سے مراد قرآن کریم کی وہ تین سورتیں ہیں جو کہ "طس" سے شروع ہوتی ہیں۔

① سورۃ النمل:۲۷،پ:۱۹،اس سورۂ مبارکہ کا آغاز ﴿طس تلك أيات القرآن و كتاب مبين﴾ سے ہوتا ہے۔

② سورۃ الشعراء:۲۶،پ:۱۹،اس سورۂ مبارکہ کا آغاز ﴿طسم تلك أيات الكتاب المبين﴾ سے ہوتا ہے۔

③ سورۃ القصص:۲۸،پ:۲۰،اس سورۂ مبارکہ کا آغاز ﴿طسم تلك أيات الكتاب المبين﴾ سے ہی ہوتا ہے۔

اس کی چوتھی مثال "حوامیم" ہیں اور یہ قرآن کریم کی وہ سات سورتیں ہیں جو حروف مقطعات "حم" سے شروع

---

① عن عرباض بن سارية، أن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يقرأ المسبحات قبل أن يرقد، وقال: "إن فيهن آية أفضل من ألف آية". (سنن أبي داود، أبواب النوم، باب مايقال عند النوم، رقم الحديث: ٥٠١٨، ص: ٣٧٤)

ہوتی ہیں یہ تعداد میں مندرجہ ذیل سات سورتیں ہیں:

① سورۂ غافر ② سورۂ فصلت ③ سورۂ شوریٰ ④ سورۂ زخرف ⑤ سورۃ الدخان ⑥ سورۃ الجاثیۃ ⑦ سورۃ الاحقاف۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان ”حوامیم سبعہ“ (ساتوں حوامیم) کو ان کے مضامین اور خوبصورتی کی وجہ سے، خالص ریشم کے پارچے قرار دیتے تھے۔① اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ——— جو کہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک تھے ——— مسجد تعمیر کررہے تھے کہ ایک شخص نے ان سے تعمیر کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ مسجد کن لوگوں کے لیے بنائی جارہی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ”یہ ان لوگوں کے لیے ہے، جو ”حوامیم“ والے ہیں۔

ان کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ یہ مسجد کسی خاص نسل یا قبیلے کے افراد کے لیے نہیں ہے بلکہ ہر اس مسلمان کے لیے جو بھی ”حوامیم سبعہ“ کی تلاوت کرتا ہے یا ان پر ایمان رکھتا ہے۔②

اس سلسلے میں مزید مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں لیکن بنیادی طور پر یہ مضمون چونکہ ”علوم القرآن“ کے ضمن میں آتا ہے۔اس لیے یہاں انہی مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

دوسرا فائدہ یہ بھی نظر اور عمل میں ہونا چاہیے کہ سور قرآنی کی تقسیم ایک اور طرح سے بھی کی گئی ہے:

① الطّوال ② المئین ③ المثانی ④ المفصل

① الطّوال: اس سے مراد قرآن کریم کی سات بڑی سورتیں ہیں جن کا آغاز سورۂ بقرہ سے ہوتا ہے اور اس کے بعد ② سورۂ ال عمران ③ سورۃ النساء ④ سورۃ المائدہ ⑤ سورۃ الانعام ⑥ سورۃ الاعراف اور ساتویں سورت میں اختلاف ہے یعنی یا وہ سورۂ توبہ ہے اور یا پھر سورۂ توبہ کے ساتھ سورۂ انفال بھی ان میں شامل ہے۔

② المئین: قرآن کریم کی وہ تمام سورتیں جن کی آیات ایک سو یا ایک سو سے زیادہ ہیں۔

---

① عن مجاهد رَحِمَهُ ٱللَّهُ قال: قال عبدالله ﴿حم﴾ ديباج القرآن. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب فضائل القرآن، رقم: ۲۷، من قال الحسد في قراءة القرآن، رقم: ۳۰۹۱۳، ج: ۱۵، ص: ۵۵۷)

② عن أبي الدرداء قال: مر عليه رجل وهو يبني مسجداً، فقال: ماهذا؟ قال: هذا لآل حم. (أيضاً، رقم الحديث:۳۰۹۱۶، ص:۵۵۸)

www.seerat.net

③ المثانی: قرآن کریم کی وہ تمام سورتیں جن کی آیات سو کے قریب ہیں۔

④ المفصل: ان سورتوں کا آغاز سورۂ حجرات پارہ: ۲۶ سے ہوتا ہے اور اختتام قرآن کریم کی آخری سورت پر ہوتا ہے۔ ان تمام سورتوں کا مجموعہ مفصل کہلاتا ہے اور پھر مفصل کو مزید تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ یہ تقسیم امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تھی اور اپنے دورِ خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ امیر (گورنر) ہونے کی وجہ سے جب لوگوں کو نماز پڑھائیں تو فجر اور ظہر کی نماز میں ① طوال مفصل کی تلاوت کیا کریں۔ عصر اور عشاء کی نماز میں ② اوساط مفصل کی تلاوت کیا کریں اور مغرب کی نماز میں ③ قصار مفصل کی تلاوت کیا کریں۔① گویا کہ انہوں نے ''المفصل'' کو مزید تقسیم کیا اور ان میں سے پہلی قسم

① طوال مفصل ہوئی اور یہ وہ سورتیں ہیں جن کا آغاز سورۃ الحجرات، پ: ۲۶، سے ہوتا ہے اور سورۃ البروج، پ: ۳۰ سے پہلے پہلے ان کا اختتام ہو جاتا ہے اور فقہ حنفی کے مطابق کوئی بھی شخص خواہ وہ امام ہو یا بغیر جماعت کے اپنی فرض نماز پڑھ رہا ہو اسے چاہیے کہ فجر اور ظہر کے فرائض میں پہلی اور دوسری رکعت میں ان مذکورہ سورتوں میں سے کوئی ایک مکمل سورت فرض نماز کی پہلی رکعت میں اور کوئی ایک دوسری مکمل سورت فرض نماز کی دوسری رکعت میں پڑھے تاکہ اس کی نماز سنت کے مطابق ادا ہو جائے۔

② دوسری قسم ''اوساط مفصل'' ہوئی اور یہ وہ سورتیں جن کا آغاز سورۃ البروج، پ: ۳۰ سے ہوتا ہے اور سورۃ البینۃ، پ: ۳۰ سے پہلے پہلے ان کا اختتام ہو جاتا ہے۔ فقہ حنفی کے مطابق ہر وہ شخص جو عصر یا عشاء کی فرض نماز پڑھ رہا ہے یا پڑھا رہا ہے اسے چاہیے کہ فرض نماز کی پہلی رکعت میں ان مذکورہ بالا سورتوں میں سے کوئی ایک مکمل سورت اور دوسری رکعت میں دوسری مکمل سورت تلاوت کرے۔

---

① والأصل فيه كتاب عمر على ما روى عبدالرزاق في مصنفه: أخبرنا سفيان الثوري عن علي بن زيد بن جذعان عن الحسن وغيره قال: كتب عمر إلى أبي موسى الأشعري: أن اقرأ في المغرب بقصار المفصل وفي العشاء بوسط المفصل وفي الصبح بطوال المفصل وهو موافق لما تقدم قبله من الحكم والأدلة. (أما الطوال) أي طوال المفصل (فمن سورة الحجرات إلى سورة البروج وأما الأوساط فمن سورة البروج إلى سورة لم يكن، وأما القصار فمن سورة لم يكن إلى آخر القرآن) هذا هو الذي عليه الجمهور في تفسير طواله وأوساطه وقصاره، وقيل طواله من قاف، وقيل من الفتح، وقيل من سورة محمد، وقيل من الجاثية وهو غريب، وقيل هي من الحجرات إلى عبس، والأوساط منها إلى الضحىٰ والباقي إلى الآخر القصار والمنفرد كالإمام في جميع ذلك. (حلبي، صفة الصلاة، ص: ٣١٢)

www.seerat.net

تقسیم سور کے معاملے میں بعض اہل علم حضرات نے سورۃ البروج کو طوال مفصل میں شمار کیا ہے① لیکن یہاں پر اسے اوساط مفصل میں اس لیے شمار کیا گیا کہ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت آتی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں فرض کی دو رکعتوں میں سورۃ البروج اور سورۃ الطارق کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔② سو نماز عشاء میں ان سور کی تلاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ البروج اوساط مفصل میں سے ہے۔③

③ اور تیسری قسم ''قصار مفصل'' ہوئی اور یہ وہ تمام سورتیں ہیں جو سورۃ البینۃ، پ: ۳۰ سے شروع ہو کر قرآن کریم کی آخری سورت، سورۃ الناس، ۱۱۴، تک ہیں، حنفی فقہ کے مطابق جو شخص بھی مغرب کی نماز میں فرض پڑھ یا پڑھا رہا ہو، اسے چاہیے کہ فرض نماز کی پہلی رکعت میں، ان سورتوں میں سے ایک مکمل سورت پہلی رکعت میں اور کوئی دوسری مکمل سورت دوسری رکعت میں تلاوت کرے تاکہ اس کی نماز سنت کے مطابق ہو جائے۔④

---

① مثلاً علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یاد رکھنا چاہیے کہ ''ہدایہ'' میں یہ کہا گیا ہے کہ مسافر اپنی نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کی کوئی بھی ایک سورت پڑھ لے، پھر آگے چل کر ہدایہ میں یہ عبارت بھی ہے کہ اگر مسافر اپنے سفر میں حالم امن اور اطمینان میں ہے تو وہ نماز فجر میں سورۂ بروج اور انشقت جیسی سورتین پڑھ لے کیونکہ اس طرح اس کی قرأت فجر سنت کے مطابق بھی ہو جائے گی (کیونکہ یہ دونوں سورتیں طوال مفصل میں شمار کی گئی ہیں) اور ان سورتوں میں آیات بھی کم ہیں تو ان کا پڑھنا بھی آسان ہوگا۔

اعلم أنه ذكر في "الهداية": أن المسافر يقرأ بفاتحة الكتاب وأي سورة شاء، ثم قال: وهذا إذا كان على عجلة من السير، فإن كان في أمنة وقرار يقرأ في الفجر نحو سورة البروج وانشقت؛ لأنه يمكنه مراعاة السنة مع التخفيف.

اب اس عبارت میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ہدایہ'' کے حوالے سے سورۂ بروج کو طوال مفصل میں شمار کیا ہے۔ اسی مقولے کے تحت مزید آگے چل کر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ پھر تحریر فرماتے ہیں: مسافر کے لیے مناسب یہ ہے کہ نماز فجر میں سورۂ بروج اور سورۂ انشقاق کی تلاوت کرے کیونکہ یہ دونوں سورتیں طوال مفصل میں سے ہے

فناسب أن يقرأ نحو سورة البروج والانشقاق مما هو من طوال المفصل وإن لم يبلغ المقدار الخاص، وهذا معنى قول "الهداية": لإمكان مراعاة السنة مع التخفيف. (حاشية ابن عابدين: قسم العبادات، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، مقولة: ٤٥٦٠، ج: ٣، ص: ٤٥٤_٤٥٥)

② عن أبي هريرة، أن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يقرأ في عشاء الآخرة بالسماء، يعني: ﴿ذات البروج﴾، و﴿السماء والطارق﴾. (مسند أحمد، تتمة مسند أبي هريرة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، رقم الحديث: ٨٣٣٢، ج: ١٤، ص: ٧٧)

③ اہل علم کو چاہیے کہ اس بحث کی مزید تفصیلات جاننے کے لیے "حلبة المجلي وبغية المهتدي في شرح منية المصلي وغنية المبتدي، مطلب: صفة الصلاة، ج: ٢، ص: ١٣٦" ملاحظہ فرمائیں۔

④ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اگر اپنی نمازوں کو کمال سنت کے ساتھ ادا کرنا چاہے تو وہ قرآن کریم کے مفصل حصے (از سورۂ حجرات تا اختتام قرآن

....

کریم) کو یاد کرے اور مختلف نمازوں میں ان سورتوں کی قرأت کرے، جو کہ مفصل کی تین قسموں (① طوال مفصل ② اوساط مفصل ③ قصار مفصل) میں سے ہیں۔ یا پھر فرض نمازوں میں قرأت کے متعلق حنفی فقہاء رحمہم اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ فجر اور ظہر کے فرائض میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ دونوں رکعتوں میں ۴۰ سے لے کر ۵۰ اور یا پھر ۶۰ سے لے کر ۱۰۰ آیات تک کی تلاوت، قرآن کریم میں سے جہاں سے چاہے، امام منفرد اپنی نماز میں کرے۔ ایسے ہی امام یا منفرد اپنی فرض نماز عصر یا عشاء کی پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم میں سے، جہاں سے چاہے، ۱۵ سے لے کر ۲۰ آیات تک کی تلاوت کرے۔ اور نماز مغرب کی پہلی دو فرض رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ ۱۰۰ آیات کی تلاوت کرے۔ حنفی فقہاء رحمہم اللہ کا تیسرا قول یہ ہے کہ موسم، امام اور مقتدیوں کے حالات کے مطابق پانچوں فرض نمازوں میں قرأت کی جائے۔ ان تمام اقوال کے استناد کے لیے "حلبة المجلي" کی ایک عبارت یہاں پر نقل کی جارہی ہے جو ہے تو اگرچہ بہت طویل لیکن پوری بحث کا خلاصہ اور سراسر مغز ہی مغز ہے۔

[م] وفي الحضر إذا خاف فوت الوقت يقرأ قدر ما لا تفوته الصلاة؛ يعني: بعد أن يأتي بالفرض والواجب لأن إدراك فضيلة الوقت أولى، وإن لم يخف يقرأ في الفجر بأربعين أو خمسين أو ستين آية.

[ش] ففي الجامع الصغير: وأما في الحضر، فإن الفجر يقرأ فيها في الركعتين جميعا بأربعين آية مع فاتحة الكتاب، أي سواها. وروى الحسن في المجرد عن أبي حنيفة: ما بين ستين إلى مائة. وإنما اختلفت الروايات لاختلاف الأخبار، ففي صحيح مسلم عن جابر أن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يقرأ في الفجر بقاف ونحوها. زاد في رواية: وكانت صلاته بعد تخفيفا. وقاف خمس وأربعون آية.

وفيه أيضا عن أبي هريرة: كان رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقرأ في الفجر ما بين الستين إلى المائة آية. وفي لفظ آخر: من الستين إلى المائة. وفي رواية البخاري: وكان يقرأ في الركعتين ما بين الستين إلى المائة.

وأخرج ابن حبان عن ابن عمر أن كان رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ليؤمنا في الفجر بالصافات. وعن جابر بن سمرة بالواقعة، ونحوها. والصافات إحدى أو اثنتان وثمانون آية، والواقعة تسع وتسعون آية.

ثم قالوا: يعمل بالروايات كلها بقدر الإمكان، واختلفوا في كيفية العمل بها؟ فقيل: يقرأ بالراغبين مائة، وبالكسالى أو الضعفاء أربعين، وبالأوساط ما بين الخمسين إلى الستين. وقيل: إذا كانت الليالي قصارا، فأربعون. وإن كانت طوالا فما بين الستين إلى مائة. وإن كانت فيما بين ذلك فما بين الأربعين إلى الستين. وقيل: إذا كانت الوقت وقت كسب كالصيف، فأربعون. وإن كان وقت فراغ كالشتاء فما بين الستين إلى مائة. وفيما بينهما مابين أربعين إلى ستين، وهذا يخالف ماقبله بأنه لو كان وقت الكسب الشتاء ووقت الفراغ الصيف ينعكس التقدير. وقيل: يقدر بقدر سرعة القراءة وبطئها. وقيل: يعتبر حال نفسه إن كان حسن الصوت يرغب الناس إلى الصلاة خلفه واستماع قراءته يقرأ مائة، وإن كان بخلاف ذلك لايزيد على الأربعين.

وقال فخر الإسلام: قال مشايخنا: إذا كانت الآيات قصارا، فمن الستين إلى مائة. وإن كانت أوساطا، فخمسين. وإن كانت طوالا، فأربعين.

....

وفي الحاوي: والإمام المقيم ثلاثة أنواع: إمام حي صالحين، فيطول وحدّه في الفجر نحو عشرين إلى أن يقرأ في الركعتين سوى فاتحة الكتاب نحو ثمانين آية إلى مائة. وإمام قوم كسالى، فيتوسط وحدّه في الفجر من أربعين إلى ستين. وإمام مساجد الطريق والأسواق، فيختصر وحدّه في الفجر نهو عشرين إلى ثلاثين.

وفي التحفة قال مشايخنا: للإمام أن يعمل بأكثر الروايات في مسجد له قوم زهاد، وبأوساطها في مسجد له قوم أوساط أو بأدناها في مسجد يكون على شوارع الطريق عملا بالرويات كلها.

[م] وفي الظهر كذلك.

[ش] في الجامع الصغير: وقال: ركعتا الظهر مثل ركعتي الفجر، قالوا: لاستوائهما في سعة الوقت ولايخالف بالتأخير الوقوع في المعصية، فيطول القراءة لتكثر الجماعة. ثم قال المصنف:

[م] أو دونه.

[ش] أي: أو دون ما يقرأ في الفجر تبعا في الأصل بعد ماقدمناه عنه من القراءة في الفجر وفي الظهر نحوا من ذلك أو دونه. وعلله في الهداية بأنه وقت الاشتغال، فينقص عنه تحرزا عن الملال المفضي إلى تقليل الجماعة، بخلاف وقت الفجر فإنه وقت فراغ عن الكسب عادة. وجعل في الحاوي هذا المقدار -أعني ما دون أربعين- إلى ستين حد التوسط الذي هو لإمام الكسالى في هذه الصلاة، وحد التطويل الذي هو لإمام حي صالحين فيها نحو ستين إلى مائة، وحد الاختصار الذي هو لإمام مساجد الطرق والأسواق فيها نحو من عشرين إلى ثلاثين، قد يستدل للثلاثين بما في صحيح مسلم، وشرح الآثار للطحاوي، وسنن أبي داؤد عن أبي سعيد الخدري، قال: كنا نحرر قيام رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في الظهر والعصر، فحررنا قيامه في الركعتين الأوليتين من الظهر قدر ثلاثين آية قدر ﴿الم، تنزيل﴾ [السجدة: ١-٢]، وحررنا قيامه في الآخرتين قدر النصف من ذلك، وحررنا قيامه في الركعتين الأوليتن من العصر على قدر قيامه من الآخرتين من الظهر، وفي الآخرتين من العصر على النصف من ذلك.

وبما في شرح الآثار للطحاوي عن أبي سعيد الخدري، قال: اجتمع ثلاثون من أصحاب النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقالوا: تعالوا حتى نقيس قراءة رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فيما لم يجهر فيه من الصلوات، فما اختلف منهم رجلان، فقاسوا قراءته في الركعتين الأوليتين من الظهر بقدر قراءة ثلاثين آية، وفي الركعتين الآخرتين على النصف من ذلك، وفي صلاة العصر في الركعتين الأوليتين على قدر النصف من الركعتين الآخرتين من الظهر.

لكن في صحيح مسلم وشرح الآثار للطحاوي أيضا عن أبي سعيد الخدري أن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يقرأ في صلاة الظهر في الركعتين الأوليتين في كل ركعة قدر ثلاثين آية، وفي الآخرتين قدر خمس عشرة آية، وقال: نصف ذلك، وفي العصر في الركعتين الأوليتين في كل ركعة قدر قراءة خمس عشرة آية، وفي الآخرتين قدر نصف ذلك.

وفي سنن ابن ماجه عن أبي سعيد – يعني الخدري– قال: اجتمع ثلاثون من أصحاب النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فساقه في شرح الآثار إلى أن قال: فقاسوا قراءته في الركعة الأولى من الظهر بقدر ثلاثين آية، وفي الركعة الأخرى قدر النصف من ذلك،

www.seerat.net

....

وقاسوا ذلك في صلاة العصر على قدر النصف من الركعتين الآخرتين من الظهر.

فهـذا السيـاق وما قبله يبين أن المراد تحرر قيامه أو قياس قراء ته في الركعتين الأوليتين من الظهر بقدر ثلاثين آية كون ذلك فـي كـل ركـعة منهما؛ لأن ذلك فيهما جميعا، والمفسر قاض على المحتمل. وحينئذ فهذا شاهد لجريان أعلى ما ذكر في الفجر على ما في الجامع الصغير وهو ستون في الظهر.

وظـاهر ما تقدم من حديث جابر بن سمرة عند الطحاوي، ومن تقدم ذكره معه، وما رواه البزار شاهدا لجريان أدنى ما ذكر فـي الـفـجـر، وهو أربعون في الظهر. وأما جريان أكثر ما ذكر في الفجر وهو ما بين ستين إلى مائة في الظهر، فلم أقف على صـريـح فيـه. وإنما في صحيح مسلم، وسنن ابن ماجه ما يفيد أكثر من ذلك بطريق الإجمال، فإن فيهما –واللفظ لمسلم– عن أبي سعيد الخدري: كانت صلاة الظهر تقام، فينطلق أحدنا إلى البقيع فيقضي حاجته، ثم يأتي أهله فيتوضأ ثم يرجع إلى الـمسجد ورسول الله ﷺ فـي الـركـعة الأولـى. وأمـا أنه يقرأ في الظهر دون أربعين آية، ولعل المراد ثلاثون آية سـوى فـاتـحة الـكـتـاب، كما هو مذكور في المجرد على ما حكاه عنه قاضي خان في شرح الجامع الصغير، فقد يشهد له ظـاهر ما تقدم من حديث أبي سعيد الخدرى: فحررنا قيامه في الركعتين الأوليتين من الظهر قدر ثلاثين آية، وظاهر ما تقدم عـند الطحاوي من حديث أنس أنه كان يقرأ فيها ﴿سَبِّحِ﴾ إذا لم يحملا على الاختصار، فإن ﴿سَبِّحِ﴾ تسع وعشرون آية، لكن حملهما على الاختصار أشبه.

[م] وفي العصر والعشاء كذلك.

[ش] أي: ويـقـرأ فـي كـل مـن العصر والعشاء دون ما يقرأ في الفجر أيضا؛ إذ ليس في القراء ة فيهما عامة ما في القراء ة في الفجر من الأقوال، وخصوصا ما بين الستين إلى المائة.

ثـم ليـس في هذا تصريح بالمقصود الذي وقع فيه التشبيه والتنظير، وهو عشرون آية سوى فاتحة الكتاب، كما صرح به في الأصل، ومشى عليه في التحفة، والبدائع، ومحيط رضي الدين. أو خمسة عشر آية؛ كقاضي خان، وذكر أنه ظاهر الرواية.

وأيـامـا كـان، فـقـد كـان الأولـى الإفـصـاح دفعا لهذا التعقيد المعنوي الذي لايفهم المقصود بعينه منه إلا من العلم به من خارج. ثم كان وجه ما في الأصل ظاهر ما تقدم من حديث جابر بن سمرة، ووجه ما ذكر القاضي أنه ظاهر الرواية ظاهر ما تـقدم في حديث أبي سعيد في تلك الرواية، وحررنا قيامه في الأخريين من الظهر إلا أن هذا التوجيه لكل منهما إذا لو حمل كـل مـن هـذين الحديثين على الاختصار. أما إذا حمل عليه، وهو الأشبه كما ذكرنا، فيكون حديث جابر مع حديث معاذ حجة لما ذكر الكرخي عن المعلى، عن أبي يوسف، عن أبي حنيفة أنه في العصر والعشاء يقرأ في كل ركعة قدر عشرين آية سوى فاتحة الكتاب، ويتجه به حينئذ قول الكرخي، وهذه أحب الرويات إلي.

نـعم، يلزم بهذا اتحاد كمية القراء ة في الظهر والعصر، وهو خلاف منطوق حديث أبي سعيد الخدري، ثم حديثه أيضا يفيد في حق العصر قولا آخر وهو أن يقرأ في أوليته ثلاثين آية سوى الفاتحة. وفي شرح الجامع الصغير لقاضي خان: وفي رواية الـحسـن عـن أبي حنيفة يقرأ في العشاء ما يقرأ في الظهر؛ لأنهما يستويان في سعة الوقت، وجواز التطوع قبلهما وبعدهما،

افسوس ہے کہ آج کل کیا منفرد، اپنی الگ نماز پڑھنے والے اور کیا آئمہ مساجد، سبھی اپنی فرض نمازوں میں ان سورتوں کی تلاوت کی پابندی کو ترک کیے ہوئے ہیں۔①

انتهى. وفيه نظر يشهد به حديث معاذ، وحديث سليمان بن يسار عن أبي هريرة الآتي.

وجعل في الحاوي حديث التطويل الذي هو لإمام حي صالحين في هاتين الصلاتين دون ما تقدم أنه حد التطويل في الظهر، وحد التوسط الذي هو لإمام الكسالى فيهما دون ماتقدم أنه حد التوسط في الظهر، وحد الاختصار الذي هو لإمام مساجد الطرق والأسواق دون ماتقدم أنه حد التوسط في الفجر. ولم يذكر المصنف مقدار القراءة في المغرب.

وفي التحفة والبدائع: وفي المغرب سورة قصيرة خمس آيات أو ست مع فاتحة الكتاب، أي سواها. زاد في البدائع: ذكره في الأصل، ونقل الزاهدي في رمز الكفاية أنه قال: السنة في المغرب في كل ركعة سوره قصيرة أو ست آيات سوى الفاتحة. وذكر في الحاوي أن حد التطويل في المغرب في كل ركعة خمس آيات أو سورة قصيرة، وحد التوسط والاختصار سورة من قصار المفصل، والله سبحانه أعلم.(حلبة المجلي وبغية المهتدي......، ج: ٢ ص: ١٣٩ـ١٤٢)

① یادرکھنا چاہیے کہ فرض نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورتیں پڑھنے یا قرأت کے بارے میں جو تین اقوال نقل کیے گئے ہیں ان میں کوئی امام صاحب جب امامت کرا رہے ہوں یا کوئی مرد وعورت اپنی الگ الگ فرض نماز پڑھ رہے ہوں سب برابر ہیں، امام کو بھی چاہیے کہ اپنی قرأت میں سنت اور مستحب قرأت کو پیش نظر رکھے اور ہر وہ مرد جس کی فرض نماز کی جماعت یا فرض نماز کی پہلی ایک یا دو رکعتیں چھوٹ جائیں یا عورت جو الگ اپنی فرض نماز پڑھ رہی ہے، وہ بھی اپنی قرأت میں سنن ومستحبات کی رعایت کریں۔ امام، منفرد، مسبوق اور عورت قرأت کے معاملے میں تمام نمازی یکساں ہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام مسجد اور وہ مرد جو اپنی فرض نماز تنہا پڑھ رہا ہے، مسنون قرأت کے اعتبار سے سب برابر ہیں صرف فرق یہ ہے کہ امام قرأت اونچی آواز سے کرے گا اور یہ منفرد قرأت میں جہر نہیں کرے گا۔ زاہدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام اور منفرد جو مسنون قرأت کریں گے، وہ دونوں برابر ہیں، یہ نص سے ثابت ہے لیکن افسوس کہ لوگ اس مسئلے سے ناواقف ہیں۔

قال أبوحنيفة: والذي يصلي وحده بمنزلة الإمام في جميع ما وصفنا من القراءة سوى الجهر. قال الزاهدي: وهذا نص على أن القراءة المسنونة يستوي فيها الإمام والمنفرد والناس عنه غافلون. (حاشية ابن عابدين: قسم العبادات، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، مقولة: ٤٥٦٣، ج: ٣، ص: ٤٥٨)

ایسے ہی امام ابن امیر حاج رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۷۹ھ بھی تحریر فرماتے ہیں: ہمارے استاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نماز فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی قرأت مسنونہ میں امام اور منفرد، دونوں برابر ہیں اور ہمارے استاد شیخ الاسلام نجم الائمہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے جب فرض نمازوں میں منفرد کی قرأت کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے فتوی دیا ہے فرض نماز میں قرأت کرنے میں منفرد نمازی خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اسے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق طویل قرأت کرنی چاہیے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ کثرت سے رکوع اور سجدے کرنے سے بہتر یہ ہے کہ نماز میں قرأت طویل کی جائے۔

قال أستاذنا شيخ الإسلام نجم الأئمة البخاري: سئلت عن سنة القراءة للمنفرد؟ فقلت: يجب أن يكون المستحب في حق

www.seerat.net

تیسرا سوال ——— جس کا اصل تعلق تو علوم القرآن سے ہے ——— یہ بھی اُٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم، اپنے اس مقدس کلام کو سورتوں کی شکل میں تقسیم کیوں فرمایا؟ یہ کلام الٰہی سورۂ فاتحہ سے شروع ہو کر، بغیر سورتوں کی تقسیم کے، مسلسل چلتا رہتا، درمیان میں کہیں بھی تسمیہ لکھ کر ایک سورت کو دوسری سورت سے الگ نہ کیا جاتا، حتیٰ کہ قرآن کریم کی آخری آیت ﴿من الجنة والناس﴾ پر پہنچ کر مقدس کتاب مکمل ہو جاتی، اور ایک سو چودہ سورتیں نہ ہوتیں تو کیا ہوتا؟

اس سوال کے متعدد جوابات ہیں:

① یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عادت طیبہ، حضرات انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھ بھی یہی رہی ہے کہ جب اس نے اپنا کلام نازل فرمایا ہے، تو اسے مختلف آیات اور سور میں تقسیم کر دیا ہے مثلاً جب ہم زبور (Psalms) ——— جو کہ حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی گئی تھی ——— کو دیکھتے ہیں تو وہاں پر بھی یہ تقسیم سور ملتی ہے۔ ہمارے ہاں تلاوت میں سہولت کی غرض سے قرآن کریم کی سات منازل مقرر کی گئی ہیں۔

پہلی منزل ——— از سورۂ فاتحہ تا سورۃ المائدہ ——— ف

دوسری منزل ——— از سورۃ المائدہ تا سورۂ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ——— م

تیسری منزل ——— از سورۂ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام تا سورۂ بنی اسرائیل ——— ی

چوتھی منزل ——— از سورۂ بنی اسرائیل تا سورۃ الشعراء ——— ب

پانچویں منزل ——— از سورۃ الشعراء تا سورۂ والصّٰفّٰت ——— ش

چھٹی منزل ——— از سورۂ والصفت تا سورۂ ق ——— و

ساتویں منزل ——— از سورۂ ق تا اختتام قرآن سورۂ والناس ——— ق

اُمت کے بہت سے بزرگوں کا معمول یہ رہا ہے کہ وہ ہفتے کے سات دنوں میں روزانہ ایک منزل کی تلاوت فرماتے تھے اور ہر ہفتے یوں ایک مرتبہ پورے قرآن حکیم کی تلاوت کر لیتے تھے اور روزانہ جس سورت کی تلاوت سے اس منزل کا آغاز کیا جاتا تھا، اس سورت کے ابتدائی لفظ کو لے کر ان ساتوں الفاظ:

المنفرد رجلا كان أو امرأة أطول القراءة لقول محمد: طول القنوت أحب إلي من كثرة الركوع والسجود. (حلبة المجلي وبغية المهتدي، ج: ٢ ص: ١٤٥)

www.seerat.net

① سورۂ فاتحہ سے ــــ ف

② سورۃ المائدہ سے ــــ م

③ سورۂ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ــــ ی

④ سورۂ بنی اسرائیل سے ــــ ب

⑤ سورۂ الشعراء سے ــــ ش

⑥ سورۂ والصفت سے ــــ و

⑦ سورۂ ق سے ــــ ق

لے کران ساتوں حروف کو جمع (ف+م+ی+ب+ش+و+ق) کر کے ایک لفظ ''فَمِیْ بِشَوْق'' کی اصطلاح بنالی گئی، لغوی طور پر عربی زبان میں ''فَمِیْ بِشَوْق'' کا لفظی ترجمہ یہ بنتا ہے ''میرے مونھ کو شوق ہے'' (کہ تلاوت کرے)۔ ایسے ہی زبور کو بھی پانچ حصوں میں تقسیم کرکر ہر ایک حصے کا نام کتاب (Book) رکھ دیا گیا۔ پھر جیسے ہم قرآن کریم میں مختلف آیات کے مجموعے کو سورت کہتے ہیں، زبور میں بھی مختلف آیات کے مجموعے کو الگ کر کے ہر مجموعے کو زبور (Psalm) قرار دے کران پر رقم (شمار) لگا دیئے گئے۔ زبور کا اُردو ترجمہ دیکھیں تو وہاں آپ کو مکمل پانچ کتابیں اور ہر کتاب میں آیات کا الگ الگ مجموعہ مل جائے گا۔

پھر جیسے ہمارے قرآن حکیم میں کل سورتیں 114 ہیں، زبور میں ان آیات کے مجموعات کی تعداد 150 ہے۔ گویا کہ زبور میں سورتوں کی تعداد 150 ہے۔

ان 150 سورتوں کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی بہت سی ایسی آیات مل جاتی ہیں جو بالکل قرآن حکیم ہی کی آیات کے متشابہ آیات ہیں۔ یہ آیات قاری کو بار بار یہ احساس دلاتی ہیں کہ قرآن حکیم اور یہ کلام دونوں، ایک ہی بحر بیکراں کا شفاف پانی ہیں۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لیے آپ مندرجہ ذیل تین مثالوں پر غور کیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

ولیوفوا نذورھم.	اور پھر یہ ہونا چاہیے کہ لوگ اپنی منّتیں (نذرونیاز)

(پ:۱۸، سورۃ الحج، آیت:۲۹)

پوری کریں۔

اور زبور میں ایک آیت بالکل ایسی ہی ملے گی:

Offer unto God Thambsgining and pay thy voms unto the most high.

خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے قربانی کر اور حق تعالیٰ کے لیے اپنی منتیں (نذر و نیاز) پوری کر۔

(The Book of Psalm, Book ii, Psalm50.14, Page:448)

قرآن حکیم اور زبور، دونوں کی آیات پر غور فرمالیجیے، کیسی یکسانیت جھلکتی ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

مایبدل القول لدی.

(پ:٢٦،س:ق،آیت:٢٩)

سو ہاں بات تبدیل نہیں کی جائے گی۔

اور زبور میں ہے:

Nor Alter the thing that is given out of my lips.

(The book of Psalms, Book iii, Pslam 89.34, page: 463)

اور اپنے موتھ کی بات کو نہ بدلوں گا۔

قرآن حکیم اور زبور دونوں کی آیات کا مطلب ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنی بات کو تبدیل نہیں کروں گا۔

قرآن کریم اور زبور دونوں کی بات ان دونوں آیات میں ایک ہی ہے۔

③ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وقل رب اغفر وارحم وانت خیر الرحمین.

(پ:١٨،س:النور،آیت:١١٨)

اور آپ یوں دعا مانگا کیجیے کہ اے رب معاف فرما اور رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اب زبور کی آیت ملاحظہ ہو:

www.seerat.net

Look Thou upon me and be merciful unto me. (The Book of Psalms, Book: V, Pslam 119.132, Page: 477)	اے خدا میری طرف توجہ کر اور مجھ پر رحم فرما۔

دونوں آیات پر غور فرمالیجیے ایک ہی جیسی دعا کی تلقین اور کیفیت ہے۔

پوری زبور میں نہ تو فقہی احکامات ہیں اور نہ ہی حدود و قیود کی مباحث۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور وعظ و نصیحت پر مشتمل یہ 150 سورتیں آج بھی بآسانی دریافت ہیں۔

ہمارے اسلاف بھی اس علم و حقیقت سے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

> ''ہم لوگ آپس میں بات کیا کرتے تھے کہ زبور میں 150 سورتیں ہیں جن میں وعظ و نصیحت اور اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کی گئی ہے۔ زبور میں ایسی آیات نہیں ہیں جن میں حلال و حرام یا فرائض وحدود کی مباحث اور احکامات ہوں۔''①

سو یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدیم عادت رہی ہے کہ وہ خود اپنے کلام کو ہمیشہ سورتوں میں تقسیم فرماتے رہے ہیں اور اسی عادت کے مطابق قرآن کریم کو بھی مختلف سورتوں میں تقسیم فرمایا گیا ہے۔

② قرآن حکیم، از اوّل تا آخر برابر کلام الٰہی ہی ہے اور اس کی کسی بھی آیت یا سورت کا انکار کرنا کسی مسلمان کے لیے روا نہیں لیکن یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ یہ پورا کلام الٰہی ثواب کے اعتبار سے برابر نہیں ہے۔ جو ثواب سورۂ فاتحہ یا سورۂ اخلاص کے پڑھنے پر ملتا ہے، وہ ثواب سورۂ لہب کی تلاوت پر نہیں ملتا اور جو ثواب اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ یا سورۃ الحشر کے آخری رکوع کو پڑھنے پر طے فرمایا ہے، وہ ثواب خود انہی سورتوں کے دیگر رکوعات پر نہیں ملتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو مختلف سورتوں میں تقسیم فرما کر حضرت رسالت مآب ﷺ کے ذریعے قارئین قرآن کو یہ سمجھا دیا کہ کون سی سورت کو کس وقت یا کن حالات میں پڑھا جائے گا، تو اس کا کتنا ثواب ملے گا۔ اگر سورتوں کی تقسیم نہیں ہوتی اور سارا کلام الٰہی یکساں رہتا تو پھر ثواب یا قربِ الٰہی کے حصول

① كنا نتحدث أن الزبور مائة وخمسون سورة، كلها مواعظ وثناء، ليس فيه حلال، ولا حرام، ولا فرائض، ولا حدود.

(الاتقان، الجزء الأول، النوع التاسع العشر، فائدة، ج:۱، ص:۲۳۰)

www.seerat.net

کے لیے اس کلام کی تقسیم، اُمت کو بہت مشقت میں ڈال دیتی۔

③ کلام الٰہی کی تقسیم، سورتوں کی شکل میں کیوں کی گئی؟ یہ سوال خود انسانی تصنیفات ومؤلفات پر بھی تو اٹھتا ہے۔ ایک انسان جب کسی موضوع پر کوئی تصنیف یا تالیف کرتا ہے تو وہ کیوں اپنے پیغام یا کلام کو مختلف ابواب وفصول میں تقسیم کرتا ہے؟ اسی لیے نا کہ قاری کو مختلف ابواب میں مختلف پیغامات دینے ہوتے ہیں یا مختلف باتوں کی اہمیت قاری کو ذہن نشین کرانا، مقصود ہوتا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ مختلف سورتوں کے ذریعے مختلف پیغامات انسان کو پہنچانا چاہتے ہیں اور وحی الٰہی ہر ہر عنوان کو الگ الگ متعین کر کے، مختلف نوعیت کے حقائق سے قاری کو آگاہ اور متنبہ کرنا چاہتی ہے۔

④ انسانی فطرت میں یہ بات سمودی گئی ہے کہ جب بھی کسی اچھے کام کی تحسین کی جاتی ہے یا داد دی جاتی ہے تو کام کرنے والے کا حوصلہ مزید بڑھتا ہے۔ کتاب وسنت سے متعدد مقامات پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص بھی کوئی صحیح کام کرے، اس کی ہمت افزائی کی جائے۔ اس کے لیے دعا کی جائے، اس کی محنت ومشقت کا اعتراف کیا جائے اور اس کا احسان تسلیم کیا جائے، کلام الٰہی میں اگر تقسیم نہ ہوتی تو پھر جب تک کوئی شخص پورے قرآن کریم پر محنت نہ کر لیتا، اس کی محنت کا اعتراف نہ ہوتا اور حوصلہ افزائی کے لیے اتنا انتظار، کاردارد تھا اللہ تعالیٰ نے غالباً فطرت انسانی کی اس طلب کی تسکین کے لیے اپنے کلام کو مختلف سور میں تقسیم کر دیا تا کہ جب کوئی انسان کسی بھی سورت پر محنت کرے تو مزید آگے بڑھنے اور کارِ مطلوب میں نشاط پیدا کرنے کی غرض سے، اس کی ہمت افزائی ہوتی رہے اور وہ مزید مراحل آسانی سے طے کرتا رہے۔

اس حقیقت کا ادراک خاص طور سے ان لوگوں کو ہوتا ہے، جن کی زندگی کا مقصد ومنشاء کلامِ الٰہی کی خدمت اور اس کی شرح ونشر میں اپنی حیات مستعار کو کھپا دینا ہوتا ہے کہ جب وہ کسی سورۂ مبارکہ کی تفسیر یا اس سے متعلقہ کام کو مکمل کر لیتے ہیں تو ذاتِ خداوندی پر بھروسہ، قبولیت کار کی اُمید، ردّ کا اندیشہ اور مزید کام کرنے کی اُمنگ اور نشاط کیسے اُبھر اور نکھر کر سامنے آتی ہے۔ اس لیے اگر یہ تقسیم سور نہ ہوتی تو کام کرنے والوں کو کیسی دشواری اٹھانی پڑتی۔

⑤ کام کرنے میں یہ خوبی ہے کہ وہ انسانوں کو بڑا بناتا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی نامور انسان ہوئے ہیں، انہیں

''کام'' ہی نے بڑا بنایا ہے۔کوئی بھی تعمیری یا تخریبی کام ہی شخصیت کو زمانے کے سامنے لاتا ہے اور اس کی صلاحیتوں کا لوہا منواتا ہے وگرنہ لوگ یوں ہی زاویۂ خمول میں عمر بسر کر کے رخصت ہو جاتے ہیں اور ان کی نام ونسل نابود ہو جایا کرتی ہے۔لوگ اور زمانہ اسی شخص کی صلاحیتوں کا اعتراف اور اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں جن کا کام لوگوں کو سر جھکانے پر مجبور کر دیتا ہے وگرنہ تو:

حفیظ اہل زبان کب مانتے تھے بڑے زوروں سے منوایا گیا ہوں

سو جو لوگ کلامِ الٰہی پر کام کرتے ہیں، زمانہ ان کے کمالات کو اسی وقت تسلیم کرتا جب وہ اپنا کام مکمل کر لیتے، کلامِ الٰہی کی سورتوں میں تقسیم کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ جن حضرات نے مختلف سورتوں پر قابل اعتناء کام کر لیا۔ لوگوں میں ان کا مقام بڑھ گیا۔زمانے نے ان کی خوبیوں اور امامت کا اعتراف کیا اور انہوں نے اس اعتراف سے حب جاہ کو تقویت نہ دی بلکہ لوگوں کی دینی رہنمائی و پیشوائی کا فریضہ انجام دیا۔یہی وہ علت وحکمت تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جب کوئی شخص سورۃ البقرہ اور سورۂ ال عمران کو فہم وتدبر سے پڑھ لیتا تھا،تو اپنے معاصرین کی نگاہ میں اس کی ایک امتیازی حیثیت قرار پاتی تھی۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے:

''ہمارے دور میں جب کوئی شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ ال عمران کے مطالب ومعانی سے واقف ہو جاتا تھا،تو اس کا مقام بہت بلند ہو جاتا تھا۔''①

اس لیے سورتوں کی تقسیم میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ جو شخص جتنا بھی کلام الٰہی پر محنت کر کے اسے سمجھ لے اور پھر سمجھا سکے،اس کا مقام اسی قدر بلند گنا جائے۔

⑥ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو سور میں تقسیم فرما کر، حفظ قرآن کے مرحلے کو آسان کر دیا۔اگر سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ والناس تک تمام قرآن کریم ایک ہی ہوتا تو پھر لوگ اس کی ازخود تقسیم کر کے یاد کرتے جیسے کہ اب بھی رکوعات یا پاروں کی سورت میں ہوتا ہے۔لیکن جب اسے سورتوں میں تقسیم کر دیا گیا تو جو بھی انسان ایک سورت

---

① عن أنس: أن رجلا كان يكتب للنبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وقد كان قرأ البقرة وآل عمران، وكان الرجل إذا قرأ البقرة وآل عمران جد فينا -يعني عظم-. (مسند أحمد، رقم الحديث: ١٢٢١٥، ج: ١٩، ص: ٢٤٧)

حفظ کر لیتا ہے، طبعاً خوشی محسوس کرتا ہے اور مزید حفظ کرنے کے لیے ہمت بڑھ جاتی ہے۔ بچوں کا حفظ تقریباً اسی طریقے پر ہوتا ہے کہ جب بچہ چھوٹی چھوٹی سورتیں حفظ کر لیتا ہے تو پھر اسے خوشی بھی بہت محسوس ہوتی ہے، اپنے ہمجولیوں سے فخر اور تقابل کی صورت میں بھی کئی سورتیں حفظ کر لیتا ہے اور یہ تمام مراحل بخوشی انجام پا جاتے ہیں۔ بنیادی وجہ پر غور کریں تو وہ سورت کا حفظ ہوتا ہے، جو کہ تحفیظ القرآن کے مرحلے کو آسان کر دیتا ہے۔

⑦ سورتوں کی تقسیم کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ نماز ــــــــ جو کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اعمال میں، سب سے بڑھ کر ہے ــــــــ کی ہر ہر رکعت میں ایک مکمل سورت پڑھنے کا موقع ملتا ہے اور یہ فعل شرعاً مستحب بھی ہے اور عام طور سے حضرت رسالت مآب ﷺ نماز کی ہر ہر رکعت میں کوئی نہ کوئی چھوٹی یا بڑی مکمل سورت ہی تلاوت فرمایا کرتے تھے، سو تقسیم سور کی وجہ سے اتباعِ سنت کی توفیق بھی ملتی ہے۔

الفاتحہ

② "فَتَحَ" (کھولنا) درحقیقت بندش کی ضد ہے اسی لئے "اَلْفُتُحُ" اس پانی کو کہتے ہیں جو زمین سے پھوٹ کر نکلتا ہے۔ "فَتوحٌ" وہ اُونٹی جس کے پستان کا سوراخ کشادہ ہو، "مُفَاتَحَةٌ" جماع کرنا کیونکہ اس فعل میں مرد یا تو خود کھلتا ہے اور یا پھر کھولتا ہے۔ ہر وہ چیز جس سے کوئی اور چیز کھلے اسے "مِفتاحْ" (چابی) کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے "الفتّاح" بھی ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں پر رحمت اور رزق کے دروازے کھولتا ہے۔ "فَواتِحُ الْقُرآن" قرآن کریم کی سورتوں کے ابتدائی حصے کو کہا جاتا ہے کیونکہ ہر سورت کا آغاز اس کے ابتدائی حصے سے ہی ہوتا ہے، اس سورۂ مبارکہ کو "الفاتحة" (شروع) کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم قرآن کریم کا آغاز خواہ وہ کتابت سے ہو یا تلاوت سے، اسی سورت سے کرتے ہیں گویا کہ اس سورۂ مبارکہ سے قرآن کریم کو شروع کیا جا رہا ہے۔ آسان الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ قرآن کریم کا دیباچہ ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے اور بھی متعدد نام ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الإتقان في علوم القرآن" میں اور علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے "بصائر ذوي التميز في لطائف الكتاب العزيز" میں ان ناموں کی تفصیل ذکر کی ہے ہم نے بھی "دائرہ معارفِ قرآنیہ" میں ان ناموں کا استقصاء کرنے کی کوشش کی ہے، تاہم چند نام مندرجہ ذیل ہیں:

www.seerat.net

①سورة الحمد ② أمّ القرآن ③ سورة الصلاة ④ السبع المثاني ⑤ الرّقية ⑥الشفاء ⑦سورة الثناء ⑧ الشافية.

سورۂ فاتحہ کا تعارف

ہر کتاب کا کوئی نہ کوئی موضوع ہوا کرتا ہے۔ کتاب کی عبارات اور مندرجات یہ بتاتے ہیں کہ اس کتاب کا مخاطب کون ہے؟ اور اس کتاب میں کن اُمور سے اعتناء برتا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب ـــــ قرآن کریم ـــــ بھی اس قاعدے اور کلیے سے مستثنیٰ نہیں۔ اس کا بھی ایک موضوع ہے جس کے متعلق اس کی ہر ہر آیت قاری کی توجہ مبذول کراتی ہے اور سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ والناس تک ایک حرف بھی ایسا نہیں ملتا، جو اپنے موضوع سے ہٹا ہوا ہو۔ قرآن کریم کا مخاطب کون ہے اور کس مقصد کے لیے یہ شاہکار نازل کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کا موضوع صرف ایک ہے اور وہ ہے ''انسان''۔ انسان ہی کے لیے یہ کتاب نازل کی گئی۔ اس کا ایک ایک حکم انسان ہی کے لیے ہے۔ یہ انسان ہی کی دنیوی اور اُخروی فلاح کا رہنما ہے اور انسانی زندگی کے تمام نشیب وفراز اس پاک کلام کی نظر میں ہیں۔

قرآن یہ بتاتا ہے کہ انسان اس دنیا کی زندگی میں کیا فصل بوئے تا کہ آخرت کی دنیا میں اسے کاٹے اور اس جہان میں جو کچھ بھی کرے گا، اس کے اعمال آخرت میں کیا رنگ لائیں گے۔

انسان کے سدھار سے معاشرہ سدھرتا ہے اور قرآن کریم بنیادی طور پر فلاح و بہبودِ انسانی اور کل جگ کے سدھار کے لیے مندرجہ ذیل سات اُمور پر بحث یا ان کا بیان کرتا ہے۔

① **توحید باری تعالیٰ:** قرآن کریم انسان کو عقیدے کا یہ پہلا سبق دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک ہے۔ اس کائنات کی تخلیق، اس کی بقاء، اس کے جاری رہنے، اس سے حاصل شدہ منافع اور مضار سے مخلوق کی وابستگی، اپنے بندوں کے حالات کا مکمل علم اور ان کے تغیر وتبدل کی قدرت صرف اور صرف باری تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اس کا کوئی شریک وسہیم تو کجا، کسی کی ہمت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں اِسے کوئی مشورہ دے سکے یا اُن پر نظر ثانی کر سکے۔ وہ ذات اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد سور اور اَن گنت آیات اسی عقیدۂ توحید کی تعلیم دیتی ہیں۔

www.seerat.net

② رسالت: قرآن کریم انسان کو دوسرا سبق یہ دیتا ہے کہ انسانی زندگی محض عقل کے سہارے نہیں چل سکتی۔ بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کا حل اس ''چراغ راہ''① کے پاس نہیں ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں ایسے مقامات آتے ہیں، جہاں پہنچ کر عقل انسانی فیصلہ نہیں کر پاتی تو ان مقامات پر نبوت عقل کی رہنما ہوتی ہے۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اِسے صراط مستقیم دکھاتی ہے اور یہ واضح کرتی ہے کہ تمام ''مسائل انسان'' کا حل عقل کے پاس نہیں بلکہ وحی کے پاس ہے۔ وحی انسان کو بتاتی ہے کہ رشتوں کا تقدس کیا ہے؟ مرد و عورت محض مرد و عورت نہیں ہیں بلکہ ان کے درمیان رشتوں کا ایک گہرا تعلق ہے۔ رشتے، تعلق کی نوعیت کو متعین کرتے ہیں۔ ماں، بہن اور بیٹی کے ساتھ جس محبت اور شفقت کا تعلق ہے، وہ تعلق اور کسی جگہ پر کہاں اور محض مرد و عورت ہونے کے ناطے سے شوہر اور بیوی کے تعلق کا بھی کوئی بدل نہیں۔ کس جانور کا گوشت حلال ہے اور خدا چاہتا ہے کہ بندے اسے استعمال کریں اور کس جانور کا گوشت حرام ہے اور خدا چاہتا ہے کہ انسانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ تجارت اور سود بظاہر دونوں نفع بخش ہیں لیکن ایک جائز اور دوسرا ناجائز۔ اور اس طرح کے کتنے ہی اُمور ہیں جن کا فیصلہ کرنا عقل انسانی کے لیے سرے سے ممکن ہی نہیں۔ وحی، رسالت اور نبوت ہی انسانی زندگی کے اتنے اہم اُمور کا صحیح فیصلہ کر سکتی ہے۔ اور پھر عقل کے عجز کا یہ حال تو ان اُمور میں ہے، جن کا تعلق اس مادی دنیا سے ہے، عقائد اور اُمور اُخروی، ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات، معجزات، عذاب قبر، اور آخرت کے بارے میں عقل انسانی کی درماندگی کس سے ڈھکی ہے؟ اس لیے قرآن کریم انسان کو دوسرا سبق یہ دیتا ہے کہ وحی الٰہی اور نبوت و رسالت پر اعتماد، ان کی سچائی کی شہادت اور یقین ہی میں انسان کی دنیوی اور اُخروی فلاح پوشیدہ ہے۔

③ قرآن کریم، انسان کو تیسرا سبق یہ دیتا ہے کہ ''روز جزا'' برحق ہے، خیر و شر کے جو اعمال بھی یہاں کیے جائیں گے، یقیناً ایک دن ایسا آئے گا، جب ان پر جزا و سزا مرتب ہوگی۔ ظالم کا احتساب اور مظلوم کی دادرسی ہوگی۔ انسان، خواہ اس کا تعلق ابتدائے آفرینش سے ہو یا اس کائنات کے آخری دن سے، اس شہنشاہ کے سامنے پیش کیا جائے گا، جو بے پناہ رحم بھی کرتا ہے اور انصاف بھی۔ اس کی رحمت کا پلڑا بھاری ہے لیکن وہ علیم

① یہ تلمیح علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر سے لی گئی ہے۔

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

(کلیات اقبال، بال جبریل، رباعیات، ص:۸۴)

www.seerat.net

وخبیر مظلوموں کی آہ سے بھی بے خبر نہیں ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اس دن کا ہمیشہ خیال رکھے اور روز جزا کی تصدیق کرتا رہے۔

④ قرآن کریم اپنے موضوع یعنی ''انسان'' کو چوتھا سبق یہ دیتا ہے کہ انسان احکامات کی اتباع کرے، دنیوی زندگی میں حکمرانی سے لے کر فردِ واحد کی زندگی کے جو اُصول وضوابط اسے سکھائے جا رہے ہیں، ان پر عمل کرے۔ قرآن کریم صحیح عقائد کے بعد عدل اجتماعی پر زور دیتا ہے۔ وہ فرد کو یہ بتاتا ہے کہ تجارت، قرض، اور اُمورِ معیشت میں کن کن اُمور کی پابندی کرنی ہے۔ نجی زندگی میں گھر میں داخلے کے آداب، کھانا، پردے کے شرعی احکامات، نکاح، ایلاء، ظہار، طلاق دینے کا طریقہ اور سفر وحضر میں ملنے والے انسانوں کے کیا حقوق وفرائض، تم پر لاگو ہوتے ہیں اور ایسے ہی ڈاکہ، چوری، بدکاری، پاک دامن پر تہمت لگانا، بغاوت، قتل کے قوانین کو نافذ کرنا حکمرانوں کی کیسی ذمہ داری ہے؟ حکمران ـــــ جو بہرحال انسان ہی ہیں ـــــ عدل اجتماعی کے قیام سے روگردانی کریں گے تو پھر انہیں کیا کیا سزائیں بھگتنی پڑیں گی، یہ تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی وہ تمام آیات جن کا تعلق قانون اور فقہ اسلامی سے ہے، انسان ہی کے عمل کے لیے نازل کی گئی ہیں۔

⑤ قرآن کریم انسان کو پانچواں سبق یہ سکھاتا ہے کہ وہ ہمیشہ صراط مستقیم کا خواہاں اور اس پر ثابت قدم رہے۔ یہ صراط مستقیم صرف قرآن کریم تنہا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی راہ اور ان کے عمل کو بھی دیکھنا ہے، جنہیں آج سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی اور اپنے اپنے دور میں انسانی رہنمائی کے لیے متعین فرمایا تھا۔ صراط مستقیم کتاب اللہ اور رجال اللہ کا مجموعہ ہے اور پھر اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حالات وواقعات کے ساتھ ساتھ ان انعامات کا بھی ذکر کرتا ہے، جو اس نے اپنے ان بندوں پر کیے تھے۔ جنت اور اس کے خوشگوار احوال کی تمام آیات انسان کو ترغیب دیتی ہیں کہ وہ اس میدان میں اُترے اور آگے بڑھنے والوں کو چاہے کہ اس میدان میں آگے بڑھ کر دکھائیں۔

⑥ پھر جیسے قرآن کریم ان لوگوں کے احوال بیان کرتا ہے جنہوں نے اطاعت خداوندی میں زندگی بسر کی ایسے ہی وہ چھٹا سبق انسان کو یہ بھی دیتا ہے کہ جنہوں نے اپنے رب کی نافرمانی کی، ذرا ان کے حالات پر بھی غور کرلو دنیا میں انہیں کن کن ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے اسباب ووسائل، سلطنتیں، حکومتیں اور ان کے

www.seerat.net

اَموال واولاد،ان کے کس کام آئے؟ یہ تو دنیا کی گرفت تھی اور رہ گئی آخرت تو اس دن تو سب کی سمجھ میں آجائے گا کہ حقیقی ذلت اور دائمی رسوائی ان کے ساتھ چپک گئی جنہوں نے اس مقدس کتاب کی تعلیمات سے گریز کیا تھا۔ جہنم، عذاب اور کفار کے عبرت انگیز واقعات کی تمام آیات اسی سبق سے متعلق ہیں۔

⑦ قرآن کریم ''انسان'' کو آخری سبق ''دعا'' کا دیتا ہے۔ وہ مایوسی کی گہرائیوں سے نکالتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسے کا سبق سکھاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ کبھی تو یہ بتاتا ہے کہ تم سے پہلے لوگوں کو بھی کیسی کیسی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تھا اور کیا کیا مصائب جھیلنے پڑے تھے، لیکن زندگی کے ان دشوار مرحلوں میں ان کا سہارا فقط ''التجا'' تھی، ''دعا'' تھی، ''مانگنا'' تھا اور ''باربار'' ''باب عالی'' پر دستک دینا تھا۔ اور کبھی براہ راست دعائیں سکھاتا ہے کہ یوں ''مانگا'' کرو۔ یوں ''دست سوال'' دراز کیا کرو۔ بندگی کا بڑا مظہر ''طلب'' ہے اس کے آداب یہ ہیں اور ہم تو تمہاری رگ جاں سے بھی قریب تر ہیں، ہم سے مانگو، ہمیں بتاؤ کیا چاہیے؟ صرف اور صرف ہم ہی ہیں جو تمہیں ہر تکلیف سے پناہ اور ہر نفع سے مالا مال کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم کا یہ ساتواں سبق بھی شاندار ہے اور پہلے چھ اسباق کی طرح انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن کریم کی کوئی بھی آیت ان سات موضوعات، مقاصد اور اسباق سے باہر نہیں ہے۔ اس کا موضوع انسان ہے اور انسان کی دنیا و آخرت انہی سات اسباق سے عبارت ہے۔ خلاصہ یہ کہ کل قرآنی اسباق سات ہیں۔

① توحید ② رسالت ③ آخرت ④ احکامات ⑤ مطیع اور فرمانبردار لوگوں کے احوال و انعامات ⑥ سرکش اور نافرمان لوگوں کے احوال، عذاب اور سزائیں ⑦ دعا[1]

---

① ہم نے یہاں جس بحث یا اسباق کو سات حصوں میں منقسم کیا ہے، حضرت اقدس شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام اُمور یا اسباق کو پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا ہے، اس تقسیم کی قدرے تفصیل یہ ہے، فرماتے ہیں: ''قرآن کریم مکمل طور پر پانچ علوم پر مشتمل ہے۔ ایک تو اس عظیم کتاب سے احکامات کا علم حاصل ہوتا ہے کہ فرض، واجب، مستحب، مباح اور مکروہ یا حرام کون سے نظریات، افعال یا اجسام ہیں؟ عبادات، اپنے اپنے احکامات کو واضح کرتی ہیں۔ دوسرے یہ کتاب گمراہ فرقوں کے دلائل کا ردّ اور ان سے مناظرہ کے دلائل بیان کرتی ہے اور چار گمراہ فرقوں ① یہودی ② عیسائی ③ مشرکین ④ منافقین کے عقائد و اعمال کے تار پُود کر بکھیرتی ہے۔ تیسرے یہ کتاب صفات باری تعالیٰ، زمین و آسمان کی پیدائش، ضروریات انسانی کا بیان اور الہام و وحی کے اُمور کی وضاحت کرتی ہے۔ چوتھے یہ کتاب بار بار ان لوگوں کا بیان کرتی ہے جنہوں نے اطاعت الٰہی میں اپنی زندگی بسر کی اور اللہ تعالیٰ نے دارین میں انھیں اس کا صلہ دیا اور جن لوگوں نے احکامات الٰہی کا پاس نہیں کیا وہ دنیا و آخرت میں کسی بڑے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ اور پانچویں یہ کتاب حشر و نشر، حساب و کتاب، اعمال اور ان کی جزا کی کمی بیشی، جنت اور

www.seerat.net

اب آپ غور کیجیے ''سورۂ فاتحہ'' پر! تو اللہ تعالیٰ نے یہ ساتوں مضامین جو پورے قرآن کریم میں تفصیل سے بیان فرمائے ہیں، انہیں سورۂ فاتحہ میں نہایت اختصار اور اجمال کے ساتھ سمودیا ہے۔

تلاوت قرآن کریم سے پہلے ہر شخص تعوذ پڑھتا ہے اس لیے جب کوئی سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرے گا تو وہ تعوذ بھی پڑھے گا اور اس تعوذ میں بھی ایک سبق توحید کا ہے، مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کیسے اپنے آپ کو شیاطین وجنات کی پناہ میں دیتے تھے، اس کا تذکرہ تو اپنے موقع پر آئے گا۔① لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جملے میں بھی واضح کردیا کہ اس کے سوا کون ہے جو پناہ دے سکے۔ تعوذ سے صرف نظر بھی کرلیجیے تو اللہ تعالیٰ نے توحید کو سورۂ فاتحہ کی چوتھی آیت کریمہ میں سمودیا ہے کہ بندہ عرض کرتا ہے:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ. ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور فقط تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

یعنی عبادت کی کل اقسام ① فکری عبادت ② جسمانی عبادت ③ مالی عبادت، سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور میں جتنے بھی مراسم عبدیت ادا کرتا ہوں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ میری اس عبادت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں کہ اس کی بندگی بھی بجالاؤں اور اپنی تمام ضروریات کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز جانتا ہوں۔ میں کسی سے کبھی ایسے مدد نہیں مانگتا کہ اس میں اس کی بندگی کا کوئی پہلو جگہ پاتا ہو۔ یہ تو ہوا سورۂ فاتحہ کا پہلا مضمون۔

جہنم سے متعلقہ اُمور کی تفاصیل بیان کرتی ہے اور یہ تمام مواد ان لوگوں کے کام آتا ہے جو کہ عامۃ الناس میں تذکیر وموعظت کا کام انجام دیتے ہیں۔

بـایـد دانسـت کـه مـعـانی منظومهٔ قرآن خارج از پنج علم نیست، علم احکام از واجب ومندوب ومباح ومکروه وحرام؛ خـواه از قسم عبادات باشد یا معاملات یا تدبیر منزلیا سیاست مدنیه. وتفصیل این علم به ذمهٔ فقیه است. وعلم مخاصمه بـا چهـار فـرقهٔ ضالهٔ یهود ونصارا ومشرکین ومنافقین. وتفریع بر این علم به ذمهٔ متکلم است. وعلم تذکیر به آلاءِ الله، از بیـان خـلـق آسـمـان وزمیـن والهام بندگان به آنچه ایشان را درمی بایست واز بیان صفات کامله او تبارك وتعالی. وعلم تـذکیـر بـه ایام الله یعنی بیان وقائعی که آن را خدای تعالی ایجاد فرموده است، از جنس انعام مطیعین وتعذیب مجرمین. وعـلم تذکیر به موت وما بعد آن، از حشر ونشر وحساب ومیزان وجنت ونار وحفظ تفاصیل این علوم، والحاق احادیث وآثار مناسبه آن، وظیفهٔ واعظ ومذکر است. (الفوز الکبیر في أصول التفسیر، باب أول در بیان علوم پنجگانه، ص: ٢١)

① تعوذ کے صفحے کا یہاں پر حوالہ درکار ہوگا۔

ذرا غور کیا جائے تو سورۂ فاتحہ کا مضمون نمبر ④ یعنی احکامات بھی یہیں معلوم ہو جاتے ہیں جب کوئی شخص عبادت کرے گا تو لامحالہ اسے طریقہ عبادت بھی سیکھنا ہے اور یہی طریقۂ عبادت فقہ وعلم ہے۔ تو گویا ① توحید اور ④ احکامات اجمالاً آ گئے۔

قرآن کریم کا دوسرا مضمون یعنی رسالت اور پانچواں مضمون یعنی مطیع حضرات کے احوال وانعامات، سورۂ فاتحہ کی آیت: ۵ میں آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان حضرات کا ذکر فرمایا جن پر اس نے انعام کیا ہے۔ اور یہ حضرات کون ہیں اس کی تفصیل سورۃ النساء، آیت: ٦٩ میں یوں دی گئی کہ:

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَـٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ.

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یعنی ① انبیاء ② صدیقین ③ شہداء اور ④ صالحین

واضح کر دیا گیا کہ جن پر انعام خداوندی ہوا یہ وہ چار قسم کے حضرات ہیں۔ انہیں حیات اَبدی اور انعامات سرمدی کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ اس لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جتنے انعام یافتہ حضرات اور انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے، یہاں سورۂ فاتحہ میں اجمالاً ان کا ذکر آ گیا۔

قرآن کریم کا تیسرا مضمون اور موضوع آخرت ہے۔ سورۂ فاتحہ کی آیت: ۳، میں ''روز جزا کا مالک'' کہہ کر یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ زندگی بے فکری سے گذارنے کا نام نہیں ہے۔ ''روز جزاء'' اپنے ساتھ کیا کیا لائے گا، بقیہ پورا قرآن کریم ان تفصیلات سے لبریز ہے۔ جہاں یہ ذکر کیا گیا کہ انعام یافتہ لوگوں کے احوال وآثار کیا ہیں، یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ نافرمان لوگوں کا انجام کیا ہوگا اور معصیت کے ذرائع کیا ہیں؟ چنانچہ سورۂ فاتحہ کی آخری آیت کریمہ میں ''مغضوب'' اور ''ضالین'' کہہ کر ان نافرمان لوگوں کا تذکرہ کر دیا گیا اور پھر اس کے بعد آنے والی دو طویل سورتوں میں تفصیل دے دی گئی کہ اگر مغضوب جاننا چاہتے ہو تو ''سورۃ البقرۃ'' کو غور سے پڑھو اور ضالین کو سمجھنا ہے تو ''سورۂ ال عمران'' کو سمجھ لو۔ اور ان دونوں گروہوں کا جو انجام آخرت میں ہوگا، جہنم سے متعلقہ تمام آیات میں اس کو پڑھا جا سکتا ہے۔ اس طرح سے قرآن کریم کا چھٹا موضوع بھی اجمالاً مذکور

www.seerat.net

ہوا۔

اب رہ گیا ساتواں موضوع یعنی ''دعا'' تو سورۂ فاتحہ کی آیت: ۵ میں سب سے بہترین دعا سکھائی گئی کہ دائماً ہم سے صراط مستقیم کی دعا مانگا کرو۔ اور صراط مستقیم بھی وہ جس پر منعم علیہم گروہ چلتے رہے اور منزل مقصود تک پہنچتے رہے اور پھر وہ نہ تو عملی طور پر گمراہ ہوئے اور نہ ہی تحقیق کے میدان میں ٹھوکر کھائی۔ قرآن کریم میں دعاؤں کا ایک انبار ہے، ایک سے ایک بڑھ کر دعا ہے لیکن وہ دعا جس نے اپنے قاری کو تمام انعامات کا مستحق ٹھہرایا ہے، یہی دعا ہے۔ جس کے حق میں یہ قبول ہو جائے۔ وہ صراط مستقیم سے نہ ہٹتا ہے، نہ ڈِگتا ہے، مجسم انعام یافتہ، نہ غضب الٰہی کا مورد ہوا اور نہ مستحق ضلالت ٹھہرا۔

اس تفصیل کا مطالعہ کرنے کے بعد، اُمید ہے کہ قاری کو یہ اطمینان حاصل ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن کریم میں جن سات مضامین کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے انہی سات مضامین کو اجمالاً سورۃ الفاتحہ میں سمو دیا گیا ہے۔ پورا قرآن کریم تفصیل ہے اور یہ سورۂ مبارکہ اس کا اجمال ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس سورت کو بمنزلہ ''دریا بکوزہ'' نازل فرمایا ہے اور یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے حضرت رسالت مآب ﷺ نے ''سورۂ فاتحہ'' کو ''قرآن عظیم'' قرار دیا ہے۔

سنن الترمذی میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے انہیں بلایا۔ انہوں نے آپ کی طرف توجہ کی لیکن (نماز میں ہونے کی وجہ سے) جواب نہیں دیا۔ اپنی نماز مختصر کی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام پیش کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر پوچھا کہ اُبیّ جب میں نے تمہیں بلایا تو آنے میں کیوں تاخیر ہوگئی؟ عرض کیا اللہ کے رسول میں نماز پڑھ رہا تھا، اس وجہ سے، تو آپ نے فرمایا: اُبیّ! جو وحی (قرآن) میری طرف آئی ہے کیا اس میں یہ نہیں آیا کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ. (پ:۹،س:الانفال،آیت:۲۴)	اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کی پکار پر لبیک کہو، جب وہ تمہیں اس بات کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی عطا کرنے والی ہے۔

عرض کیا، جی ہاں یہ (قرآن کریم میں) آیا ہے۔آئندہ ان شاء اللہ ایسی کوتاہی نہیں ہوگی۔ارشاد فرمایا: اگر میں تمہیں قرآن کریم کی ایک ایسی سورت کی تعلیم دوں کہ اس جیسی سورت تو، تورات، انجیل، زبور اور خود قرآن کریم میں بھی نہیں ہے، تو تمہیں اچھا لگے گا؟ انہوں نے عرض کیا: ضرور ارشاد ہو۔حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز میں کون سی سورت پڑھتے ہو؟ حضرت اُبیّ رضی اللہ عنہ نے سورۂ فاتحہ تلاوت کی۔تو آپ نے ارشاد فرمایا:

> ''اُبیّ! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تورات، انجیل اور زبور میں ہی نہیں، اس فرقان (قرآن کریم) میں بھی کوئی سورت اس (سورۂ فاتحہ) جیسی نازل نہیں ہوئی۔ اور یہی وہ سات آیات ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور یہ قرآن عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے۔''①

یہ ہے اس عظیم سورۂ مبارکہ کا تعارف، اسے اگر غور سے پڑھا اور سمجھ لیا جائے تو یہ سمجھنا چنداں دشوار نہیں کہ سورۂ فاتحہ میں قرآن کریم کو سمو دیا گیا ہے۔یہ حقیقت صرف حدیث ہی سے مؤید نہیں بلکہ جس نے بھی اس کا مطالعہ غور سے کیا اور سمجھا ہے، اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

فضائل سورۂ فاتحہ

اس سورۂ مبارکہ کے فضائل میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں مشرکین نے نہایت شدومدّ سے وحی الٰہی کی تکذیب شروع کر دی اور حضرت رسالت مآب ﷺ سمیت، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سخت تنگی کا وقت آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلسل وہ آیات نازل فرمائیں اور اپنے انعامات کی طرف توجہ دلائی، جن میں تسلی اور ہمت بندھائی گئی ہے۔سورۃ الحجر میں بار بار اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی کہ نصرت خداوندی حق کے ساتھ ہے اور صرف آج ہی نہیں، اس سے پہلے بھی اہل باطل، خوب پھلے، پھیلے اور حق کو مٹانے کی کوششیں کرتے رہے لیکن انجام کار خود مٹا دیے گئے۔حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے قصص بیان کر کے سمجھایا

① والـذي نفسي بيده ما أنزلت في التوراة ولا في الإنجيل ولا في الزبور ولا في الفرقان مثلها، وإنها سبع من المثاني والقرآن العظيم الذي أعطيته. (سنن الترمذي، كتاب فضائل القرآن، باب:١ ماجاء في فضل فاتحة الكتاب، رقم: ٢٨٧٥،)

www.seerat.net

گیا کہ ان کے بالمقابل کا فر قوموں کو ان کی ہنر مندی، دنیوی علوم میں برتری اور جیومیٹری میں طاق ہونا کچھ کام نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ انہیں مہلت دی اور نہ ہی آپ کے مخالفین عذاب الٰہی سے بچ سکیں گے۔ آپ کسی غم اور تردّد میں مت پڑیں۔

فَاصۡفَحِ الصَّفۡحَ الۡجَمِيۡلَ. (پ:١٤، س: الحجر:١٥، آیت :٨٥)

سو آپ تو بس یہ کیجیے کہ اچھی طرح درگذر کرتے رہیے۔

اور اس تسلی اور ڈھارس بندھانے کی آیات کے فوراً بعد اپنے ایک عظیم انعام کی طرف توجہ دلائی:

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِيۡمَ. (پ:١٤، س: الحجر:١٥، آیت :٨٧)

اور یقیناً ہم نے آپ کو وہ سات (عظیم الشان) آیات دی ہیں جو کہ بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم عطا فرمایا ہے۔

یہ سات آیات کا جو بطور انعام عظیم ذکر ہو رہا ہے تو یہ کون سی ہیں؟ یہ سورۂ فاتحہ ہے جو کہ سات آیات پر مشتمل ہے۔ تو سمجھایا جا رہا ہے کہ جب دو اتنی زبردست نعمتیں ① سورۂ فاتحہ ② قرآن عظیم، ہم نے آپ کو عطا فرما دیا ہے تو بس ہماری نوازشات پر نظر رکھیے اور جو کچھ مشرکین مکہ آپ کے ساتھ کر رہے ہیں، اسے خاطر و خیال میں بھی نہ لائیے۔ ہماری ان عنایات کے مقابلے میں ان کے استہزاء و تکذیب کی وقعت ہی کیا ہے۔

یہ ہے اس سورۂ مبارکہ کی فضیلت کہ اس کے لیے مکرر ایک آیت کریمہ نازل کی گئی اور پھر جب حضرت رسالت مآب ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ہیں تو ان سات آیات یعنی سورۂ فاتحہ کے ثواب کی بشارت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فرشتہ بھی آپ کی خدمت میں بھیجا، جو اس سے پہلے کبھی اس دنیا میں آیا ہی نہیں تھا۔ صحیح مسلم کی روایت میں آتا ہے۔

حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں تشریف فرما تھے کہ اُوپر کی سمت سے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے سر اُوپر کی طرف اٹھایا اور عرض کیا کہ یہ آج آسمان کا ایک ایسا دروازہ کھلا ہے، جو آج سے پہلے کبھی بھی نہیں کھولا گیا تھا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ زمین پر آیا تو حضرت جبریل امین نے عرض کیا کہ یہ ایک ایسا فرشتہ زمین پر نازل ہوا ہے، جو آج سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ اس فرشتے نے

www.seerat.net

سلام پیش کیا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے دو نور آپ کو عطا فرمائے ہیں، آپ کو وہ دونوں مبارک ہوں۔ یہ دونوں نور آپ سے پہلے کبھی کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا نہیں کیے گئے۔ ان میں ایک تو سورۂ فاتحہ ہے اور دوسرا نور سورۂ بقرہ کی آخری آیات ہیں ان دونوں نوروں کا کوئی بھی حصہ آپ کے علاوہ کسی کو عطا نہیں کیا گیا۔①

سورۃ الفاتحہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کے نور کے عطا کی یہ بشارت، جیسے بعض اہل علم نے ثواب سے بھی تعبیر کیا ہے، مدینہ منورہ میں دی گئی۔②

اب اس ثواب کی مقدار کتنی ہے، یہ تو کسی روایت میں نہیں آیا لیکن احادیث سے یہ تو معلوم ہو ہی جاتا ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کا یہ غیر معمولی اہتمام، غیر معمولی ثواب پر دلالت کرتا ہے۔

کتاب وسنت کی ان آیات وروایات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان پر جب مایوسی کا غلبہ ہو، اسے رنج وغم گھیر لیں یا جینا دشوار ہو جائے تو اس حال میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احسانات پر نظر کرنی چاہیے، اس کے انعامات کا تذکرہ کرنا چاہیے اور اپنی سوچ کو مشکلات اور رنج وغم سے ہٹا کر باری تعالیٰ کے انعامات کی طرف مرتکز کر دینا چاہیے۔ یقیناً یہ بہت سی نفسیاتی بیماریوں کا علاج بھی ہے اور کٹھن حالات سے چھٹکارا پانے کے لیے دعا بھی۔

امام ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب سنن ابی داؤد، کتاب الطب میں ایک طویل روایت نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں عربوں کے ایک قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا تھا اور ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اس پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر پھونک دی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء دے دی۔

اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ جب وہ بیمار ہو تو دوا لینے کے ساتھ ساتھ سورۂ فاتحہ کی تلاوت بھی کرتا رہے اور

---

① عن ابن عباس، قال: بينما جبريل قاعد عند النبي صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سمع نقيضا من فوقه، فرفع رأسه، فقال: هذا باب من السماء فتح اليوم، لم يفتح قط إلا اليوم، فنزل منه ملك، فقال: هذا ملك نزل إلى الأرض، لم ينزل قط إلا اليوم، فسلم وقال: أبشر بنورين أوتيتهما لم يوتهما نبي قبلك، فاتحة الكتاب وخواتيم سورة البقرة، لن تقرأ بحرف منهما إلا أعطيته. (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب: فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة، رقم الحديث :٨٠٦، ج: ١، ص: ٤٤٧)

② فيكون جبريل عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ نزل بتلاوتها بمكة، ونزل الملك بثوابها بالمدينة والله أعلم. (تفسير قرطبي، سورة الفاتحه نزولها وأحكامها، ج: ١، ص: ١٧٩)

www.seerat.net

تلاوت کر کے پھر پانی یا زمزم کے پیالے پر پھونک کر وہ پانی یا زمزم پی لے، اللہ تعالیٰ نے امراض سے شفاء کے لیے ایک یہ علاج بھی رکھا ہے۔ یا پھر اس سورۂ مبارکہ کو طاق عدد میں پڑھے یعنی ایک یا تین یا پانچ یا سات مرتبہ اور پھر دونوں ہاتھوں کو ایسے ملائے جیسے کہ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں اور ان دونوں پر ایک یا تین مرتبہ پھونک مار کر یہ دونوں ہاتھ سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم پر پھیر لے تو ان شاءاللہ یہ عمل بھی شفاء کے حصول میں مددگار ثابت ہوگا۔

اور یا پھر یہ کہ انسان خود ایسا عمل کرے اور دوسرا شخص جو بیمار ہے اس کے جسم پر ایسے ہی دونوں ہاتھوں میں پھونک مار کر، پھیر دے، تو اس بیمار کو بھی شفاء ملے گی۔

حضرت امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''سورۂ فاتحہ کے دم کرنے سے، شفا پا جانے کے تجربات تو ہر زمانے میں، اتنے زیادہ ہوئے ہیں کہ ان کی تعداد کا احاطہ کرنا بھی دشوار ہے، میں نے خود بھی اور میرے علاوہ بہت سے اللہ کے بندوں نے اس سورۂ مبارکہ کو پڑھنے کا تجربہ کیا ہے اور عجیب وغریب اُمور پیش آئے ہیں۔ خاص طور سے ایک واقعے کا تذکرہ کرتا ہوں کہ جب میں مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا تو میرے جسم میں ایسے درد شروع ہوگئے کہ اس دنیا سے فارغ ہو جاتا، پھر یہ تکالیف اتنی بڑھ گئیں کہ نقل وحرکت دشوار ہوگئی، دوران طواف بھی مرض کی یہ شدت قائم رہی تو میں نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا عمل کیا اور اسے پڑھ کر اپنے جسم پر دم کرتا رہا تو درد ایسے دور ہوتے چلے گئے جیسے کہ کوئی کنکری میرے جسم میں پیوست تھی اور دم کرتے ہی وہ زمین پر آ گری پھر میں نے بار بار یہ عمل دھرایا۔ اور میں ایک پیالہ لے کر اس میں زمزم کا پانی بھر لیتا تھا اور سورۂ فاتحہ کئی کئی مرتبہ پڑھ کر اس پر دم کرتا تھا اور پھر اس پیالے کو پی لیتا تھا، اس دم شدہ

پانی کے پینے سے مجھے بہت نفع ملا، اتنا نفع کہ مجھے حکیم کی دوا سے اتنا نفع نہیں ہوا۔ سورۂ فاتحہ کو پڑھنے کے منافع اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کلامِ الٰہی سے ہر شخص کو اتنا ہی نفع ملتا ہے، جتنا کہ اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل اور اس کے کلام کو پڑھنے سے مشکلات کے حل ہونے کا یقین، کسی بھی شک اور تردّد سے جتنا خالی ہوتا ہے۔'' ①

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنا تجربہ بیان کر کے دوسروں کو بھی یہ دعوت دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام سے فائدہ اُٹھائیں مگر اس سورۂ مبارکہ کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ اس نے اپنوں کو تو کیا غیر مسلم مفکرین کو بھی اتنا متأثر کیا ہے کہ انسائیکلوپیڈیا برناٹیکا کے مؤلفین بھی اس کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے، تحریر فرماتے ہیں:

''قرآن حکیم کا ایک حصہ (سورۂ فاتحہ) جو کہ نبوت کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتا ہے، خاص توجہ کا مستحق ہے۔ یہ سورۂ فاتحہ ہے جو کہ مسلمانوں کی وہ دعا ہے، جوانہوں نے اپنے رب سے مانگی ہے، یہ دعا اللہ تعالیٰ کی وہ تعریف ہے، جس میں زبردست جوش وجذبہ پایا جاتا ہے، یہ ایسے رب کی تعریف ہے جو کہ دونوں جہانوں کا پروردگار ہے، یہ عا ان جملوں پر اختتام پذیر ہوتی ہے جن میں انسان اپنے پروردگار سے مدد اور صحیح راہ (صراطِ مستقیم) مانگتا ہے۔

اور اس سورۂ فاتحہ کا ترجمہ یہ ہے۔ ① اللہ تعالیٰ کے نام سے آغاز کرتے ہیں، جو کہ بہت مہربان اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

---

① وأما شهادة التجارب بذلك فهي أكثر من أن تذكر، وذلك في كل مكان، وقد جربت أنا من ذلك في نفسي وفي غيري أمورا عجيبة، ولاسيما مدة المقام بمكة أعزها الله تعالىٰ، فإنه كان يعرض لي آلام مزعجة، بحيث تكاد تقطع الحركة مني، وذلك في أثناء الطواف وغيره، فأبادر إلى قراءة الفاتحة، وأمسح بها محل الألم فكأنه حصاة تسقط، جربت ذلك مراراً عديدة، وكنت آخذ قدحا من ماء زمزم فأقرأ عليه الفاتحة مراراً وأشربه فأجد به من النفع والقوة ما لم أعهد مثله في الدواء، والأمر أعظم من ذلك؛ ولكن بحسب قوة الإيمان، وصحة اليقين، والله المستعان. (مدارج السالكين، فصل بعد فصل في بيان اشتمال الفاتحة على الشفائين شفاء القلوب، وشفاء الأبدان، ج: ١، ص: ٢٩٣)

② تمام تعریفیں اس پالنے والے کے لیے ہیں جو کہ تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ ③ جو کہ بہت مہربان اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ ④ جو اس دن کا بھی مالک ہے، جس دن مکمل انصاف ہوگا۔ ⑤ ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں اور صرف اس سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ ⑥ اے پالنے والے ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ⑦ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا اور ان لوگوں پر نہ تو تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

اس سورۂ مبارکہ کے یہ الفاظ بہت آسان اور سادہ ہیں، اتنے زیادہ کہ ان کو پڑھ کر پھر کسی تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ ایسی دعا ہے جس کا ایک ایک لفظ معانی کے جہان سے پر ہے۔ یہ بات بھی بالکل درست ہے کہ ان تمام الفاظ اور دعا میں حضرت رسالت پناہ ﷺ کے اپنے خیالات کا کوئی عکس اور پرتو بھی نہیں ہے (یعنی یہ پوری سورت اور دعا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے الہام اور وہ وحی ہے، جو حضرت رسالت مآب ﷺ پر کی گئی ہے) اس سورت کی ان سات آیات پر آپ غور کریں تو اس کی پوری پانچ آیات (1,2,3,4,6) عیسائی اور یہودی اپنی عبادت میں اللہ تعالیٰ کی جو تعریف کرتے ہیں، اس سے انتہائی قربت اور مشابہت رکھتی ہیں۔" ①

① There is one piece of the Koran, belonging to the beginning of this period, if not to the close of the former, which claims particular notice. This is Sara i., the Lord's prayer of the Fsti,, a the Mosslems, avigrous hymn of praise to God, the Lord of both worlds, which ends is a petition for aid and true quidance (hudo). The words of this sura, which is known as Al-Fdthiha (the opening one), are as follows:

1: In the name of God, the compassionate compassioner. 2: praise be [literally "is"] to God, the

www.seerat.net

مَكِّيَّةٌ

قرآن کریم کی ہر سورت پر یا تو یہ لفظ لکھا ہوگا "مکیة" (یہ سورت مکی ہے) اور یا پھر یہ لفظ ملے گا "مدنية" (یہ سورت مدنی ہے)۔ کسی بھی سورت کے مکی یا مدنی ہونے کی یہ اصطلاح کیا ہے؟ اس بحث کا اصل مقام تو ''علوم القرآن'' کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابیں ہیں لیکن یہاں پر ذرا سا خلاصہ تحریر کیا جا رہا ہے کہ اس مضمون کے پڑھنے والوں کی تشنگی کو کچھ کم کیا جا سکے۔

کسی بھی سورت کے مکی یا مدنی ہونے کے متعلق عام طور پر مفسرین کی تین آراء ہیں۔

① حضرت رسالت مآب ﷺ پر ہر وہ آیت یا سورت جو ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہوئی مکی ہے اور ہر وہ آیت یا سورت جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئی، خواہ وہ تبوک میں نازل ہوئی ہو یا مکہ مکرمہ میں ہی یا کسی بھی سفر میں بہر حال وہ مدنی ہے۔

② ہر وہ آیت یا سورت جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی وہ مکی ہے اور ہر وہ آیت یا سورت جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی وہ مدنی ہے۔

③ ہر وہ آیت یا سورت جس میں اہل مکہ کو خطاب کیا گیا ہے، وہ مکی ہے اور ہر وہ آیت یا سورت جس کے مخاطب اہل مدینہ ہیں، وہ مدنی ہے۔①

Lord of the worlds. 3: The compassionate compassioner. 4: The sovereign of lthe day of judgment. 5: Thee do we worship and of thee do we beg assistance. 6: Direct us in the right way; 7: in the way of those to whom thou has been gracious, on whom there is no wrath, and who go not astray. The thouhgts are so simple as to need no explanation; and yet the prayer is full of meaning. It is true that there is not a single original idea of Mahomet's in it. of the seven verses of the sura no less than five (verses 1, 2, 3, 4, 6) have an extremely suspicious ralationship with the stereotyped formulae of Jewish and Christian liturgies. (Encyclopedia Britannica, 11th edition, V: 15, Page: 903)

① إعلم أن للناس في ذلك ثلاثة اصطلاحات: أحدها أن المكي مانزل بمكة، والمدني ما نزل بالمدينة. والثاني –وهو المشهور– أن المكي ما نزل قبل الهجرة، وإن كان بالمدينة، والمدني ما نزل بعد الهجرة، وإن كان بمكة. والثالث: أن المكي ما وقع خطابا لأهل مكة، والمدني ما وقع خطابا لأهل المدينة. (البرهان في علوم القرآن، ج: ۱، ص: ۱۸۷)

www.seerat.net

کتاب وسنت اور تفاسیر و تاریخ سے جس قول کی تائید ہوتی ہے وہ پہلا قول ہے۔ علامہ ابن عابدین الشامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''مدنی آیات وسور وہ ہیں جو کہ ہجرت کے بعد نازل ہوئیں اگر چہ وہ مدینہ منورہ کے علاوہ کسی اور مقام پر نازل ہوئی ہوں اور مکی کی آیات وسور وہ ہیں جو کہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں اگر چہ وہ مکہ مکرمہ کے علاوہ کسی اور مقام پر نازل ہوئی ہوں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''الاتقان'' میں جو تین اقوال تحریر فرمائے ہیں ان میں صحیح ترین قول یہ ہے۔'' ①

علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے جس قول کا حوالہ، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے، وہ یہ ہے:

> ''یاد رکھنا چاہیے کہ آیات وسور کے مکی یا مدنی ہونے کی اصطلاح میں تین اقوال ہیں اور ان میں سب سے زیادہ وہ مشہور قول یہی ہے کہ مکی آیات وسور وہ ہیں جو کہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں اور مدنی وہ ہیں جو کہ ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، خواہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ منورہ ہیں جیسے کہ فتح مکہ کے موقع پر یا حجۃ الوداع میں یا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سفر فرما رہے تھے تو اس موقع پر بھی جو آیات نازل ہوئیں، سب مدنی شمار کی جائیں گی۔'' ②

پھر اس کے بعد یحییٰ بن سلام رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

---

① المدني: ما نزل بعد الهجرة وإن كان في غير المدينة، والمكي: ما نزل قبلها وإن كان في غير مكة، وهو الأصح من أقوال ثلاثة حكاها "السيوطي" في "الاتقان". (حاشية ابن عابدين، قسم العبادات، الطهارة۔صفتها، رقم المقولة [٢٨٥] الجزء الأول، ص: ٢٩٩)

② إعلم أن للناس في المكي والمدني اصطلاحات ثلاثة: أشهرها: أن المكي ما نزل قبل الهجرة، والمدني مانزل بعدها سواء نزل بمكة أم بالمدينة، عام الفتح أو عام حجة الوداع، أم بسفر من الاسفار. (الاتقان، النوع الأول، ج:١، ص: ٣٧)

www.seerat.net

”قرآن کریم کا کوئی بھی حصہ جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوا ہے حتیٰ کہ ہجرت کے سفر میں جب کہ حضرت رسالت مآب ﷺ مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے، سب کا سب مکی ہے۔ اور جب آپ مدینہ منورہ پہنچ گئے تو پھر اس کے بعد قرآن کریم کا جو بھی حصہ نازل ہوا ہے، خواہ وہ آپ کے مختلف اسفار میں ہی کیوں نہ نازل ہوا ہو، سب کا سب مدنی ہے۔“ ①

ان تمام اقوال و تعریفات سے یہ ثابت ہوا کہ آیات و سور قرآنی کے مکی یا مدنی ہونے کا دارومدار ہجرت پر ہے۔ ہجرت کے بعد جو کچھ بھی نازل ہوا ہے۔ وہ تمام آیات و سور مدنی کہلائیں گی۔ چنانچہ قرآن کریم کی وہ آیت جو کہ ہجرت کے سفر میں نازل ہوئی یا وہ حصہ جو غزوۂ تبوک کے موقع پر تبوک (شام) میں نازل ہوا، وہ مدنی کہلائے گا۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے خود ارشاد فرمایا:

”مجھ پر یہ قرآن کریم، تین مقامات میں نازل ہوا ہے: ① مکہ مکرمہ ② مدینہ منورہ ③ شام۔“ ②

اس حدیث میں شام سے مراد تبوک ہے۔ سو وہ آیات جو غزوۂ تبوک کے سفر میں آپ پر نازل ہوئیں وہ بھی مدنی ہی ہیں۔

قرآن کریم کی ہر ہر آیت اور سورت کے متعلق یہ قطعی فیصلہ کرنا کہ یہ مکی ہے یا مدنی، ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ فیصلہ حضرت رسالت مآب ﷺ ہی کر سکتے تھے یا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جن کی موجودگی میں یہ سور اور آیات نازل ہوئی تھیں لیکن انہوں نے بہت سی سور و آیات کے متعلق نہ یہ فیصلہ فرمایا اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی۔ اس لیے جن سور و آیات کے متعلق یہ تصریحات یا تاریخی شواہد ملتے ہیں کہ یہ کہاں نازل ہوئیں، وہاں تو بات صاف ہو جاتی ہے لیکن جہاں پر ـــــ اور اکثر مقامات ایسے ہیں ـــــ یہ شواہد میسر نہ ہوں، وہاں کسی آیت یا

① ما نزل بمكة وما نزل في طريق المدينة قبل أن يبلغ النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المدينة فهو من المكي، وما نزل على النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في أسفاره بعد ما قدم المدينة فهو من المدني، وهذا أثر لطيف يؤخذ منه أن ما نزل في سفر الهجرة مكي اصطلاحا. (الاتقان، النوع الأول، ج:۱، ص: ۳۷)

② عن أبي أمامة قال قال رسول اللّٰه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أنزل القرآن فى ثلاثة أمكنة: بمكة، والمدينة والشام. (المعجم الكبير، رقم: ۷۷۱۷، ج: ۸، ص: ۱۷۱)

سورت کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ کرنا از حد دشوار ہے۔ اسی لیے مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے صراحت کی ہے کہ مکی اور مدنی آیات وسور کی شناخت دو طریقوں سے کی جاتی ہے۔

① **سماعی:** اس کا مطلب یہ ہے کہ جن آیات وسور کے بارے میں روایات سماعت میں آ گئی ہیں اور تصریحات موجود ہیں کہ یہ آیت یا سورت کہاں نازل ہوئی۔ چونکہ ہمیں اس کا علم بذریعہ سمع (روایات سننے) سے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس طریقے کو سماعی کہا جاتا ہے۔

مثلاً دینیات کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ پر وحی کا آغاز غار حراء مکہ مکرمہ میں ہوا اور سب سے پہلے سورۃ العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئی۔ اس لیے یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ سورۃ العلق مکی ہے۔

② **قیاسی:** اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی آیت یا سورت کے بارے میں سماعی طریقے پر اس کے مکی یا مدنی ہونے کا ثبوت نہ مل سکے تو پھر اپنے گمان کے مطابق، آثار وقرائن کی بناء پر، اس پر کوئی حکم لگایا جائے۔ مختلف مفسرین نے جو کسی آیت یا سورت کو مکی یا مدنی قرار دیا ہے تو انہوں نے اسی اُصول پر عمل کیا ہے۔ کسی سورت یا آیت کے متعلق جب انہیں کوئی حدیث یا تاریخی شہادت نہیں مل سکی جس کی بناء پر وہ اسے مکی یا مدنی قرار دیتے تو انہوں نے غور وفکر کے بعد اپنے اجتہاد سے یہ فیصلے کیے لیکن یہ یاد رہے کہ ان کے یہ فیصلے تفسیر قرآن کریم میں کسی قاعدے یا کلیے کی حیثیت نہیں رکھتے۔ مثلاً بہت سے مفسرین نے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ جس سورت میں "یا ایھا الناس" کہہ کر پوری انسانیت کو مخاطب کیا گیا ہے، وہ مکی ہے اور جس سورت میں "یا ایھا الذین امنو" کہا گیا ہے، وہ مدنی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اُصول کی خود مفسرین کے پاس دلیل کیا ہے؟ سوائے اس کے کوئی دلیل نہیں کہ یہ ان کی اپنی رائے ہے اور رائے بھی ایسی کہ جب اس اُصول پر مختلف سورتوں کو پرکھا گیا، تو یہ بہت بودی ثابت ہوئی۔ اب "یا ایھا الناس" سورۂ بقرہ میں دو مرتبہ آیا ہے اور سورۃ النساء میں تین مرتبہ۔ اگر یہ اُصول مان لیا جائے کہ ہر وہ سورت جس میں "یا ایھا الناس" آیا ہے، مکی ہوتی ہے تو پھر ان دو سورتوں کو بھی مکی ہونا چاہیے تھا، حالانکہ ایسے نہیں ہے۔ اور یہ اُصول کہ جس سورت میں "یا ایھا الذین امنو" آیا ہے وہ مدنی ہیں تو پھر یہ الفاظ تو سورۂ حج میں بھی آئے ہیں حالانکہ سورۂ حج یقیناً مکی ہے، مدنی نہیں۔

www.seerat.net

اسی قیاسی طریقے سے مفسرین نے مختلف سورتوں میں مختلف آیات کو مکی اور مدنی قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ صرف مختلف مفسرین کا اپنا اجتہاد اور ذاتی رائے ہے، جس کے پس پشت کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اسی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> ''صحیح بات یہ ہے کہ آیات کو مستثنٰی کرنے کے اُصول کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔''①

امام ابوبکر الباقلانی المتوفی ۴۰۳ھ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''نکت الانتصار لنقل القرآن'' ـــــ جو کہ علوم القرآن کو سمجھنے کے لیے نہایت عمدہ، بنیادی اور ضروری کتاب ہے② ـــــ میں اس بحث کو نہایت عمدہ طریقے سے سمیٹا ہے۔ یہاں پر اس بحث کا خلاصہ لکھا جا رہا ہے:

> ''حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کے علم کو زیادہ اہم قرار دیا ہو۔ نہ تو ان کی کسی ارشادِ گرامی سے یہ ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی انہوں نے کسی کی ذمہ داری لگائی تھی کہ وہ ان اُمور کا علم جانے اور نہ ہی انہوں نے کسی کو کہا تھا کہ مکی اور مدنی سورتوں کو علیحدہ علیحدہ جمع کرو اور نہ ہی کبھی یہ ہوا

---

① والحق في ذلك ما دل عليه الدليل الصحيح، والله أعلم. (تفسیر ابن کثیر، ج:۱، ص:۲۲)

② حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے بھی ''علوم القرآن'' کے موضوع پر کام کرنا ہو، اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ امام ابوبکر محمد بن طیب الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کا بغور مطالعہ کرے، کہ اسے پڑھے بغیر موضوع سے انصاف نہیں ہوسکتا۔ حضرت قاضی ابوبکر الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بحث کی ہے: ① مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ پر اعتراضات اور ان کے جوابات ② حضرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا حفظ قرآن اور خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح میں کیا ردّ وبدل کیا تھا؟ ③ قرآن کریم کی کل سورتوں اور آیات کی تعداد، ان کی ترتیب، نظم قرآنی، نزول وحی کی ابتداء اور انتہاء، دعائے قنوت کی حقیقت، سورتوں کا مکی ومدنی ہونا اور ان تمام معاملات میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کیا تھیں؟ ④ معوذتین کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی وضاحت ⑤ قرآن کریم ''احرف سبعہ'' میں نازل ہونا اور اس سے متعلق احادیث کی وضاحت ⑥ اہل تشیع اور بعض ملحدین ومنحرفین کا یہ دعویٰ کہ قرآن کریم ناقص اور ادھورا ہے اور پھر ان اعتراضات کے جوابات ⑦ قرآن حکیم کی عربی اور لغت پر کیے گئے اعتراضات کا جائزہ ⑧ قرآن حکیم کی بعض سورتوں جیسے سورۂ رحمٰن وغیرہ میں بعض آیات کا تکرار کیوں ہے؟ یہ تو صرف عنوانات کا تذکرہ ہے ورنہ کتاب کا ہر ہر صفحہ مختلف مباحث، علوم اور اعتراضات کے جوابات سے بھرا پڑا ہے۔

www.seerat.net

کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ کہا ہو کہ دیکھو! یاد رکھنا کہ یہ یہ سورتیں مجھ پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں اور یہ یہ سورتیں مدینہ منورہ میں۔ اگر آپ نے ایسا کوئی کام کیا ہوتا تو ایسی روایات ضرور ملتیں۔
آپ نے یہ کام اس لیے بھی نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ حکم نہیں دیا تھا کہ مکی اور مدنی سورتوں کا علم ہونا ضروری ہے اور نہ ہی یہ کام اللہ تعالیٰ نے اُمت کے ذمے لگایا ہے۔ بعض اہل علم حضرات نے اگرچہ اس علم کو مدون کیا ہے لیکن ان کی غرض یہ تھی کہ وہ مختلف احکامات کے بارے میں یہ فیصلہ کرسکیں کہ آیا یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئے تھے یا مدینہ منورہ میں۔
ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اس علم (سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کے متعلق) کو حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے سیکھنا ضروری قرار نہیں دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی آیت یا سورت کے مکی یا مدنی ہونے کا علم نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔
حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بات متواتر، منقول نہیں ہے کہ یہ آیت یا سورت مکی ہے یا مدنی ہے اور یہ جاننا بھی ان کے لیے ضروری نہیں تھا اور جو شخص بھی ہجرت کے بعد اسلام قبول کرتا تھا اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ رہتا تھا اس کے لیے کوئی ضروری نہیں تھا کہ وہ تمام آیات جو اس کے اسلام قبول کرنے سے قبل نازل ہو چکی تھیں، ان کے بارے میں یہ علم حاصل کرے کہ یہ مکی ہیں یا مدنی؟'' ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی آیت یا سورت کے مکی یا مدنی ہونے کے متعلق جاننا، یہ ایسا علم نہ تھا جس کا قرون اولیٰ میں اہتمام کیا جاتا ہو۔ بعد میں آنے والے مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس

www.seerat.net

علم پر محنت کی ہے اگرچہ ان کی یہ مساعی جمیلہ قابل قدر ہیں اور آیات وسور کے مکی یا مدنی ہونے کا علم بسا اوقات بہت نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ ناسخ ومنسوخ کا علم، تاریخی حقائق اور اَوامر ونواہی کی علت نکھر کر سامنے آتی ہے لیکن اس کے باوجود اس علم کا مرتبہ یہ نہیں ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی آیت یا سورت کے متعلق یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ مکی ہے یا مدنی، تو پھر وہ تفسیر قرآن کریم سے بھی بے بہرہ رہے۔①

اس موقع پر اگر امام بدرالدین الزرکشی رحمہ اللہ کی کتاب "البرھان" کی النوع التاسع کا مطالعہ بھی کر لیا جائے تو بہت مفید رہے گا۔ کسی بھی آیت یا سورت کے مکی یا مدنی ہونے کے سماعی طریقے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ یہ پیش آتی ہے کہ جب کوئی صحابی رضی اللہ عنہ یہ فرما دیتے ہیں کہ یہ آیت یا سورت فلاں موقع پر نازل ہوئی تھی یا میرے بارے میں نازل ہوئی تھی تو قاری کو یہ دھوکہ لگتا ہے کہ وہ اس واقع یا اس صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ اندازہ لگانا شروع کر

---

① غير أنه لم يكن من النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في ذلك قول ولا نص، ولا قال أحد ولا روى أنه جمعه، أو فرقة عظيمة منهم تقوم بهم الحجة وقال: اعلموا أن قدر ما أنزل علي من القرآن بمكة هو كذا وكذا، وأن ما أنزل بالمدينة كذا وكذا، وفصله لهم وألزمهم معرفته، ولو كان ذلك منه لظهر وانتشر، وعرفت الحال فيه.

وإنما عدل صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عن ذلك لأنه مما لم يؤمر فيه، ولم يجعل اللّٰه تعالى علم ذلك من فرائض الأمة، وإن وجب في بعضه على أهل العلم مع معرفة تاريخ الناسخ والمنسوخ، ليعرف الحكم الذي ضمنها، وقد يعرف ذلك بغير نص الرسول بعينه وقوله هذا هو الأول والمكي وهذا هو الآخر المدني.

وكذلك الصحابة لما لم يعتقدوا أن من فرائض التابعين ومن بعدهم معرفة تفصيل جميع المكي والمدني وأنه مما يسع الجهل به، لم تتوفر الدواعي على إخبارهم به ومواصلة ذكره على أسماعهم وأخذهم معرفته.

وإذا كان ذلك كذلك ساغ أن يختلفوا في بعض القرآن هل هو مكي أومدني، وأن يعملوا في القول بذلك ضربا من الرأي والاجتهاد، وإن كان الاختلاف زائلا عنهم في جله وكثيره، وإذا كان ذلك كذلك لم يلزم أيضا أن ينقل عن الصحابة نقلا متواترا ذكر المكي والمدني، ولم يجب أيضا على الصحابة وعلى كل داخل في الإسلام بعد الهجرة وعند مستقر النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في المدينة أن يعرف أن كل آية أنزلت قبل إسلامه مكية أو مدنية، يجوز أن يقف في ذلك أو يغلب على ظنه أحد الأمرين، وإذا كان ذلك كذلك بطل ما توهموه من وجوب نقل هذا وشهرته في الناس ولزوم العلم به لهم والتفريط بالتخلف عن علمه ووجوب ارتفاع الخلاف والنزاع فيه.(الانتصار للقرآن، باب: الكلام في بيان الحكم في أول ما نزل.....، ص: ٢١٧)

www.seerat.net

دیتا ہے یا پھر یقین کر لیتا ہے کہ یہ آیت یا سورت مکی ہے یا مدنی۔ مثلاً کوئی صحابی رضی اللہ عنہ فرمائیں گے کہ یہ آیت فلاں موقع پر نازل ہوئی تو قاری تاریخ سے اس واقعے کو ڈھونڈتا ہے یہ کہاں پیش آیا پھر اس طریقے سے وہ اس آیت کے مکی یا مدنی ہونے کا حکم لگا دیتا ہے اور یا پھر یہ کہ کوئی صحابی رضی اللہ عنہ جب یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی تو قاری اس صحابی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام یا مہاجر یا انصاری ہونے کی وجہ سے اس آیت پر مکی یا مدنی ہونے کا حکم لگا دیتا ہے حالانکہ اصل صورتحال یہ ہے کہ اس صحابی رضی اللہ عنہ کے اقوال (① یہ آیت فلاں موقع پر نازل ہوئی ② یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی وغیرہ) سے کسی آیت یا سورت کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ کرنا درست نہیں کیونکہ ان کے ان اقوال میں دو احتمالات ہیں:

① یہ کہ جب کوئی صحابی رضی اللہ عنہ یہ فرمائیں کہ یہ آیت نـزلـت فـيّ (میرے بارے میں نازل ہوئی ہے) یا یہ فرمائیں کہ نزلت في كذا (یہ آیت فلاں معاملے میں نازل ہوئی ہے) تو ان دونوں جملوں سے ان کی کبھی تو مراد یہ ہوتی ہے کہ واقعی یہ آیت یا سورت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے یا یہ کہ فلاں واقعے کے بعد نازل ہوئی ہے تو اس طرح سے ہمیں اس شخصیت یا واقعے کے ذریعے قطعی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ آیت یا سورت مکی ہے یا مدنی اب آپ اس اصول کی مثالیں بھی پڑھ لیجیے:

① حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ اِفک ہے۔ ان پر ایک جھوٹی تہمت لگائی گئی اور اس سلسلے میں ''صحیح بخاری'' میں طویل روایت ہے۔ وہاں یہ آتا ہے کہ اس واقعے کے دوران حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور انہوں نے اس تہمت سے مکمل طور پر اپنی برأت کا اظہار کیا اور فرماتی ہیں۔

> ''اور مجھے خوب معلوم تھا کہ میں اس عیب سے بالکل پاک ہوں اور یہ بھی جانتی تھی کہ میرے پاک ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرا پاک ہونا ضرور بیان کر دے گا۔ لیکن اللہ کی قسم میرا ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں قرآن کریم کی آیات نازل کر دے گا جو کہ قیامت تک پڑھی جائیں گی۔ میرا یہ بھی خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں مجھے پاک قرار دے، تیری ذات ایسی نہیں ہے کہ اُس کے بارے میں وحی

www.seerat.net

نازل ہو جائے بلکہ میرا خیال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کوئی خواب حضرت رسالت مآب ﷺ کو دکھا دیں گے جس سے میرے پاک دامن ہونے کا علم ہو جائے گا۔ لیکن اللہ کی قسم نہ تو حضرت رسالت مآب ﷺ وہاں سے اُٹھے اور نہ ہی گھر کے دیگر افراد میں سے کوئی، گھر سے باہر گیا، یہاں تک کہ وحی نازل ہونا شروع ہوگئی۔ سو جیسے کہ نزول وحی کے وقت ہمیشہ ایسے ہی ہوتا تھا وہی ہوا اور آپ کا جسم مبارک تپنے لگا۔ اور یہ حدت اتنی زیادہ ہوئی کہ آپ کی پیشانی سے پسینہ موتیوں کی طرح ٹپکنے لگا۔ حالانکہ مدینہ منورہ میں اس دن سخت سردی پڑ رہی تھی۔ لیکن یہ پسینہ، وحی کے بوجھ کی وجہ سے تھا، جو کہ آپ پر نازل ہو رہی تھی۔ سو جب یہ وحی مکمل ہوئی اور اس کی شدت ختم ہوئی تو حضرت رسالت مآب ﷺ ہنسے اور پہلا جملہ جو آپ نے ارشاد فرمایا یہ تھا:

''اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تو تمہاری پاکیزگی نازل فرمادی''۔'' ①

اب اس حدیث پر غور فرمالیجیے، حضرت ام المومنین عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما جو یہ فرمارہی ہیں کہ ان کے گھر میں اس شدید سردی کے دن اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت اور پاکیزگی میں سورۂ نور کی دس آیات (ان الذین جاؤ بالافك: آیت نمبر ١١ سے لے کر وان اللہ رؤوف رحیم: آیت نمبر ٢٠) تک نازل کیں تو یہ ان کا فرمانا حقیقت پر مبنی ہے خود حدیث، آثار اور قرائن سب اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ حقیقت میں یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں، چنانچہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ: حتی إنزل إلیه (یہاں تک کہ وحی نازل ہونا شروع ہوگئی)

---

① وأنا حينئذ أعلم أني بريئة، وأن الله مبرئي ببراء تي، ولكن والله ماكنت أظن أن الله منزل في شأني وحيا يتلى، ولشأني في نفسي كان أحقر من أن يتكلم الله فيّ بأمر يتلى، ولكن كنت أرجو أن يرى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في النوم رؤيا يبرئني الله بها. قالت: فوالله ما رام رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ولا خرج أحد من أهل البيت، حتى أنزل عليه، فأخذه ما كان يأخذه من البرحاء، حتى إنه ليتحدر منه مثل الجمان من العرق وهو في يوم شات، من ثقل القول الذي ينزل عليه، قالت: فلما سري عن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سري عنه وهو يضحك، فكانت أول كلمة تكلم بها: "يا عائشة! أما الله عزوجل فقد برأك".

(الصحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة النور، رقم: ٤٧٥٠)

www.seerat.net

حقیقت پر مبنی ہے۔

② حضرت سیدنا ابی بکر رضی اللہ عنہ اپنے خالہ زاد بھائی حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کی مالی مدد کیا کرتے تھے کیونکہ ایک تو رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان کا حق بنتا تھا اور دوسرے یہ کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ نادار تھے۔ اتفاق ایسا کہ جب یہ واقعہ افک پیش آیا تو اس جھوٹ کو عام کرنے میں غلط فہمی سے کچھ حصہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ امداد بند کر دی۔ پھر کیا ہوا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

> ”(حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا) اللہ کی قسم میں آئندہ اس مسطح پر کبھی بھی خرچ نہیں کروں گا۔ تو ان کی اس قسم کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمادی:
>
> ”اور تم میں سے جو لوگ بزرگ اور مالی حیثیت رکھتے ہیں وہ ایسے قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتے داروں، مسکینوں اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی ہے، ان پر اپنا مال خرچ نہیں کریں گے، انہیں تو چاہیے کہ معافی اور درگذر سے کام لیں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا، بڑا مہربان ہے۔“
>
> اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اللہ کی قسم مجھے یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے۔ سو انہوں نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو دوبارہ وہ مدد دینا شروع کر دی جو مدد اس واقعے سے پہلے وہ دیا کرتے تھے۔“ ①

---

① واللّٰه لا أنفق على مسطح شيئا أبدا، بعد الذي قال لعائشة ما قال، فأنزل اللّٰه: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [النور: ٢٢]، قال أبوبكر: بلى واللّٰه، إني أحب أن يغفر اللّٰه لي، فرجع إلى مسطح النفقة التي كان ينفق عليه. (الصحيح البخاري، كتاب التفسير، سورۂ نور، رقم: ٤٧٥٠)

www.seerat.net

اب آپ اس حدیث پر بھی غور فرمالیجیے۔حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جو یہ فرما رہی ہیں کہ یہ آیت ان کے والد کی قسم کے بعد نازل ہوئی تو یہ حقیقی شان نزول ہے۔جس میں کوئی شبہ نہیں۔

اُمید ہے کہ ان دونوں مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ جب کوئی صحابی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں یا فلاں موقع پر نازل ہوئی تو ان جملوں سے ان کی مراد کیا ہوتی ہے۔انہی باتوں کو مفسرین کسی وقت آیت کریمہ کا ''شان نزول'' ان الفاظ سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں اور یعنی یہ آیت کیوں، کیسے اور کس موقع پر نازل ہوئی۔قرآن کریم کی تفسیر کو سمجھنے کے لیے شان نزول کا جاننا بہت اہم ہے۔

اسی لیے ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''کسی بھی آیت کریمہ کے نازل ہونے کا سبب معلوم ہونا، یہ ایسا علم ہے جو قرآن کریم کے معانی سمجھنے میں بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔'' ①

اور حضرت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''کسی بھی آیت کو سمجھنے کے لیے یہ علم کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کی وجہ کیا ہے، بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔'' ②

کیونکہ جب آپ کو وجہ معلوم ہو جاتی ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آیت کسی شخص یا واقعے کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

② یہ کہ جب کوئی صحابی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں نزلت فيّ (یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے) یا یہ فرماتے ہیں نزلت في كذا (یہ آیت فلاں معاملے میں نازل ہوئی ہے) تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس آیت سے میرے کسی معاملے میں فیصلہ ہوا ہوگا۔اگر تمہیں اس فیصلے کے متعلق کچھ سوچنا ہے تو اس آیت سے رہنمائی حاصل کرو حقیقت میں یہ مراد نہیں ہوتی کہ جب میرا فلاں مسئلہ پیش ہوا تھا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔یا فلاں واقع میں یہ آیت نازل ہوئی تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ دیکھو فلاں واقعے کی تشریح اس

---

① بيان سبب النزول طريق قوي في فهم معاني القرآن. (الاتقان، النوع التاسع: معرفة سبب النزول، ج: ۱، ص: ۱۰۸)

② معرفة سبب النزول يعين على فهم الآية فإن العلم بالسبب يورث العلم بالمسبب. (الاتقان، النوع التاسع: معرفة سبب النزول، ج: ۱، ص: ۱۰۸)

www.seerat.net

آیت سے ہوتی ہے۔ یہ مراد نہیں ہوتی جب فلاں واقعہ پیش آیا تھا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اس لیے جب کسی صحابی یا تابعی رضی اللہ عنہم کا قول آتا ہے کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی یا فلاں واقع میں نازل ہوئی تو لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس آیت کا نشان نزول یہ ہے حالانکہ دونوں احتمالات ہوا کرتے ہیں یہ بھی کہ واقعی وہ آیت اس صحابی رضی اللہ عنہ یا اس واقعے میں نازل ہوئی ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ آیت اس صحابی رضی اللہ عنہ یا اس واقعے میں نہ نازل ہوئی ہو بلکہ اس صحابی رضی اللہ عنہ کی مراد محض یہ ہو کہ میرا جو معاملہ ہے یا جو فلاں واقعہ ہے اس کی تشریح یا اسناد کے لیے فلاں آیت پر غور کرو۔ لوگ چونکہ ان دونوں جملوں (① یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی "نزلت فيّ" ② یہ آیت فلاں واقع میں نازل ہوئی "نزلت في كذا") تو ان کے حقیقی معنوں میں سمجھ بیٹھتے ہیں اور پھر ان آیات کا شان نزول بھی اس شخصیت یا واقعے کو قرار دے دیتے ہیں، اس لیے آیات کی صحیح تفسیر تک نہیں پہنچ پاتے۔ اب آپ اس اصول کی مثالیں بھی پڑھ لیجیے:

① آپ تیسویں پارے کی سورۂ فیل کی تفسیر اُٹھا کر پڑھ لیجیے۔ اکثر مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی یہ تحریر دکھائی دے گی "في قصة أصحاب الفيل" یہ سورت ہاتھی والوں کے قصے میں نازل ہوئی۔ اب اگر کوئی شخص اس جملے کا مطلب یہ لے کہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا تھا، یہ سورۂ مبارکہ اس وقت نازل ہوئی تھی تو وہ سوائے اس کے کہ تاریخ سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کر دے، مزید کچھ نہیں کرے گا۔ اس جملے کا مطلب بس یہ ہے کہ سورۂ فیل میں ابرھہ اور اس کی فوج کا قصہ اور انجام بیان کیا گیا ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ عین اس وقت کیسے نازل ہو سکتی تھی؛ کیونکہ صاحب وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تو ولادت بھی اس واقعے کے بعد ہوئی ہے۔

② سورۃ الحج مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آیت: ۱۷ میں دو گروہوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پہلا گروہ تو اہل ایمان کا ہے اور دوسرے گروہ میں یہودی، صابی، نصرانی، مجوسی اور مشرکین شامل ہیں۔ ان سب میں ایک قدر مشترک کفر ہے۔ ان دونوں گروہوں میں توحید اور شرک کا جھگڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ .

یہ دو گروہ ہیں (مومن اور کافر) جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا۔

www.seerat.net

اب یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی۔ لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے ان دو گروہوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں سے مسلمانوں کے گروہ میں حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم تھے اور دوسرے گروہ میں ربیعہ کافر کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ اور اس کا پوتا ولید بن عتبہ شامل تھا۔①

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے الفاظ "نزلت في الذين برزوا يوم بدر" (یہ آیت ان دو گروہوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غزوۂ بدر میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تھے) سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت غزوۂ بدر پیش آیا تھا، یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی تھی حالانکہ معاملہ یوں نہیں ہے۔ یہ آیت تو مکہ مکرمہ میں غزوۂ بدر سے کئی برس بیشتر نازل ہو چکی تھی۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ بدر میں دونوں گروہ جو ایک دوسرے کو فنا کرنے پر تلے ہوئے تھے، اگر ان کا حال جاننا چاہو تو یوں سمجھو کہ گویا یہ آیت انہی دونوں گروہوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

یہ وہ دوسرا احتمال ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ کے ظاہری الفاظ سے کسی کو یہ دھوکہ لگ سکتا ہے کہ آیت کا شان نزول یہ ہے لیکن درحقیقت وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اس شخصیت یا واقعے کے متعلق اگر جاننا چاہو تو اس آیت پر بھی غور کرلو۔

یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ نزول قرآن کے وقت اگر کوئی واقعہ پیش آ گیا تھا اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاہا یا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس واقعے کا حکم نازل کیا جائے تو اس وقت آیات نازل ہو گئیں اور متعلقہ امور کا حکم بھی آ گیا لیکن آیات قرآنی کا حل اور اس کی تفسیر اس واقعے پر منحصر نہیں ہوتی آیات واحکامات کو عمومی طور پر لیا جاتا ہے کہ آئندہ قیامت تک جب بھی کوئی شخص یا واقعہ ایسا ہوگا تو اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے اسی آیت یا سورت سے رہنمائی حاصل کی جائے گی نہ یہ کہ محض وہ شخص یا واقعہ (جو عہد نبوی میں پیش آیا تھا) کے ساتھ ہی یہ آیت یا سورت مخصوص ہو گئی۔ اگر یوں کیا جائے تو قرآن کریم کو سمجھنا ممکن

---

① فروي عن قيس بن عبادة قال: سمعت أباذر يقسم قسما أن هذه الآية ﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِيْ رَبِّهِمْ﴾ نزلت في الذين برزوا يوم بدر حمزة وعلي وعبيدة بن الحارث وعتبة وشيبة ابنا ربيعة والوليد بن عتبة. (تفسير الخازن، سورة الحج، ج: ٤، ص: ٣٤٢)

www.seerat.net

نہیں ہوگا۔اس لیے آیات کا حل شان نزول پر موقوف نہیں ہوا کرتا۔آیات کو ہمیشہ سیاق وسباق کو مدنظر رکھتے ہوئے حل کرنا ہوتا ہے،لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ شان نزول کے تمام واقعات سے صرف نظر کرلیا جائے۔

جولوگ اس مغالطے میں پھنس گئے ہیں کہ آیات کوشان نزول کے ساتھ مخصوص کردیں وہ سخت مشکل میں پھنس گئے ہیں۔اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''تفسیر قرآن میں جودشواریاں پیش آئی ہیں ان میں سے ایک آیات و سور کے نازل ہونے کے اسباب کا کھوج لگانا بھی ہے۔''①

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت امام بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان میں سے کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ آیت فلاں موقع پر نازل ہوئی تو اس کا مطلب محض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں اس واقعے کے متعلق شرعی احکامات بیان ہوئے ہیں،ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس واقعہ کی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔''②

بہت سے مفسرین نے آیات وسور کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں شان نزول کا سمجھنے اور مکی سورتوں میں مدنی آیات کو یا مدنی سورتوں میں مکی آیات کو چھاننے کی بحث اگرچہ کی ہے لیکن یہ معاملہ اتنا آسان نہیں ہے۔ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک آیت قرآنی کے (مکی یا مدنی ہونے کے) بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہمیشہ صحیح تفسیر بیان کرتے رہو۔ وہ لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم) دنیا سے اُٹھ گئے، جو یہ جانتے تھے کہ کس موقع پر اللہ

---

① دیگر از مواضع صعبہ، معرفت اسباب نزول است. (الفوز الکبیر، ص:۷۵)

② وقد عرف من عادة الصحابة والتابعين أن أحدهم إذا قال: نزلت هذه الآية في كذا، فإنه يريد بذلك أن هذه الآية تضمن هذا الحكم؛ لا أن هذا كان السبب في نزولها. (البرهان، ج: ١، ص: ٣١)

www.seerat.net

تعالیٰ نے قرآن کریم کا کون سا حصہ نازل فرمایا تھا۔"①

خیرالقرون کے بعد مفسرین نے جن آیات وسور پر مکی یا مدنی ہونے کا حکم لگایا ہے۔اگر ان کی رائے سے کوئی دلائل صحیحہ کے ساتھ اختلاف کرتا ہے تو چنداں حرج نہیں۔سور وآیات کو شخصیات وواقعات کے ساتھ ہی محدود کر دینا اوران سور وآیات کے احکامات کو عمومی نہ سمجھنا،شان نزول سے باہر نہ نکلنا،یہ رویہ جس شخص کا بھی ہوگا وہ قرآن کریم کی تفسیر ہرگز نہ سمجھ پائے گا۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس رویے پر تنقید فرماتے ہوئے،لکھتے ہیں:

> "اس بارے میں (کہ یہ آیت فلاں واقعے یا شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی) آپ کو اس طرح کے بہت جملے ملیں گے کہ یہ آیت فلاں کے بارے میں نازل ہوئی اور اگر کسی شخص کا نام بھی آجائے تو پھر تو یقین ہی ہو جاتا ہے کہ آیت کریمہ انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔جیسے کہ آیت ظہار کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔اور یہ آیت کلالہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ"آپ ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیجیے"۔ یہودیوں کے قبائل ① بنوقریظہ اور ② بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔اوراس طرح کی بہت سے آیات جن کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئیں یا یہ کہ یہ آیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئیں۔تو جو لوگ بھی اسی قسم کے جملے ارشاد فرماتے ہیں ان کی مراد یہ ہرگز نہیں ہوتی کہ یہ آیات محض انہی افراد یا اقوام کے بارے میں نازل ہو کر مخصوص ہوگئی ہیں اور دیگر کسی شخص یا قوم کے بارے میں ان آیات وسور سے کوئی حکم اخذ نہیں کیا جاسکتا (بلکہ یہ سور وآیات آئندہ آنے والے افراد واقوام اور زمانوں

① اتق اللّٰه وقل سدادا، ذهب الذين يعلمون فيم أنزل اللّٰه القرآن. (الاتقان، ج: ١، ص: ١١٥)

کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہیں) اگر کوئی شخص ان سور وآیات کو مخصوص مانتا ہے تو پھر یہ لایعنی بات کوئی تو در کنا کوئی عقلمند آدمی بھی نہیں کرسکتا۔''①

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اصولِ تفسیر پر اپنی ایک نہایت عمدہ اور مختصر کتاب ''الفوز الكبير في أصول التفسير'' میں اس اصول کی تشریح فرمائی ہے۔②

① قد يجي كثيرا من هذا لباب قولهم: هذه الآية نزلت في كذا، ولاسيما إن كان المذكور شخصا، كقولهم: إن آية الظهار نزلت في امرأة ثابت بن قيس، وإن آية الكلالة نزلت في جابر بن عبدالله، وإن قوله: ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ﴾ نزلت في بني قريظة والنظير، ونظائر ذلك مما يذكرون أنه نزل في قوم من المشركين بمكة، أو في قوم من اليهود والنصارى، أو في قوم من المؤمنين: فالذين قالوا ذلك لم يقصدوا أن حكم الآية يختص بأولئك الأعيان دون غيرهم، فإن هذا لايقوله مسلم ولا عاقل على الإطلاق. (الاتقان، ص: ١١٢)

② قارئین کے فائدے کے لیے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عبارت یہاں نقل کی جارہی ہے اور قارئین ہی کی سہولت کے لیے اس کا ترجمہ بھی کردیا گیا ہے ــــــــــ اصل عبارت اور اس کا ترجمہ پڑھنے سے پہلے قارئین کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا یہ رسالہ ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' درحقیقت فارسی زبان میں تحریر فرمایا تھا اور ہم نے بھی اصل فارسی رسالے سے اصل عبارت نقل کی ہے۔ جو اصل رسالہ پیش نظر ہے وہ جناب عبد الطیف ناروئی صاحب فاضل دار العلوم زاہدان کی تصحیح وتحقیق کے بعد چھپا ہے۔ محقق موصوف نے اس رسالے پر خاصی محنت کی ہے اور تقویم نص کے لیے ان کے سامنے پہلا نسخہ مطبوعہ ١٣٠٠ھ از لاہور، دوسرا نسخہ مطبع محمدی بغیر تاریخ ومقام طباعت، تیسرا نسخہ مطبع مجتبائی دہلی بدون تاریخ اور چوتھا نسخہ مطبع احمدی بدون تاریخ، پیش نظر رہا ہے۔ اس لیے ہم نے اصل عبارت کے لیے اس نسخے کا انتخاب کیا ہے۔ پھر اس رسالے کی تعریب بھی ہوئی ہے اور متعدد افراد نے جو تعریب کی ہے، وہ بھی محقق کے پیش نظر رہی ہے۔ پہلی تعریب جو ١٢٩٥ھ میں اور دوسری تعریب جو مولانا سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ١٤٠٥ھ میں کی تھی اور دیگر نسخ بھی اس فاضل محقق کے پیش نظر رہے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ تعریب میں کئی ایک مقامات رہے ہیں، جو اصل فارسی رسالے سے بالکل مختلف اور ''زائد'' ہیں، ان کی افادیت اپنے مقام پر مسلم لیکن کیا یہ ''زائد'' حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے ہیں، یا نسخ میں تبدیلی واقع ہوئی ہے یا جن حضرات نے تعریب کی ہے ان کے سامنے اس رسالے کے دیگر نسخ پیش نظر رہے ہیں اصل ماجرا کیا ہے؟ اس تحقیق کی توفی الحال فرصت ہی نہیں مل پارہی لیکن اس تعریب سے پھر اردو ترجمہ جو ہوا ہے تو پھر وہ یقیناً اصل فارسی نسخے سے مختلف ہے۔ ''الخیر الکثیر'' کے نام سے مولانا محمد امین پالن پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت عمدہ ترجمہ وتشریح کی ہے اور ہم نے اپنے اس محولہ بالا مقام کا اردو ترجمہ وہاں سے ہی نقل کردیا ہے۔ اصل فارسی سے تعریب، پھر اس تعریب سے اردو ترجمہ تو ترجمہ در ترجمہ سے یقیناً اصل فارسی عبارت اور ترجمے میں بہت بُعد ہوگیا ہے لیکن ترجمہ (اپنے زوائد سمیت) چونکہ نفع سے خالی نہیں ہے، اس لیے ہم نے بہرحال اسی اردو ترجمے کو ترجیح دے کر یہاں نقل کیا ہے:

دیگر از مواضع صعبه، معرفت اسباب نزول است، ووجه صعوبت در آن باب نیز اختلاف متقدمین ومتأخرین است: آنچه از استقراء كلام صحابه وتابعين معلوم مى شود آنست كه: نزلت فى كذا، نه محض براى قصه كه در

www.seerat.net

یہی وہ وجوہ ہیں جن کی بناء پر مفسرین، شانِ نزول سے صرف نظر کر کے، تفسیر لکھنے اور سمجھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "أسباب النزول" کے بالکل آغاز میں ہی تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے دور میں ہر شخص اس کام میں لگا ہوا ہے کہ ہر آیت کے لیے
اپنے پاس سے کوئی نہ کوئی شان نزول ڈھونڈ نکالے یا گھڑے۔ اپنے

زمان آن حضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بوده سبب نزول آیت گشته استعمال کنند. بلکه گاهی یکی از ماصدق علیه آیه راکه در زمان آن حضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بوده است، یا بعد از آن حضرت ذکر کنند و گویند: "**نزلت في كذا**" و درینجا انطباق جمیع قیود لازم نیست، بلکه اصل حکم می باید که منطبق باشد، پس بس.

وگاهی سوالی که پیش آن حضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آورده باشند، یا حادثه ای که در آن ایام نیك فرجام متحقق شده باشد وآن حضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حکم آن را از آیتی استنباط کرده باشند وآن آیت را در آن باب تلاوت نموده باشند، تقریر نمایند وگویند: "**نزلت فی کذا**". وگاهی درین صورت ها گویند: "**فانزل اللّٰه تعالیٰ قوله: کذا**" یا "**فنزلت**" گویند وگویا این اشارت به آن است که استنباط آن از آن آیت والقاء آن آیت در آن ساعت، بخاطر مبارك آن حضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نیز نوعی از وحی ونفث فی الروع است، ازین جهت می توان گفت: "**فانزلت**" واگر کسی درینجا به تکرار نزول تعبیر کند نیز می تواند شد.

ترجمہ: تیسری فصل: اسباب نزول کی شناخت میں: اور (فن تفسیر میں) دشوار مقامات میں سے اسباب نزول کا پہچاننا بھی ہے اور دشواری کی وجہ بھی متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا مختلف ہونا ہے۔ متقدمین کے نزدیک نزلت في كذا کے معنی: اور جو بات صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کے کلام کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ: یہ حضرات نزلت في كذا کو استعمال نہیں کرتے ہیں محض اس واقعہ کی وضاحت کے لیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اور جو آیت کے نزول کا سبب تھا، بلکہ:

① بسا اوقات وہ حضرات آیت جن (واقعات) پر صادق آتی ہے، ان میں سے بعض (واقعات) کو ذکر کرتے تھے، چاہے وہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا ہو، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آیا ہو، پھر کہتے تھے: نزلت في كذا (آیت فلاں واقعہ میں نازل ہوئی) اور اس صورت میں آیت میں ذکر کردہ تمام قیودات کا منطبق ہونا ضروری نہیں، بلکہ کافی ہے صرف اصل حکم کا منطبق ہونا۔

② اور کبھی وہ (یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم) ایسا مسئلہ ذکر کرتے ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ہے، یا ایسا واقعہ (بیان کرتے ہیں) جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (مسئلہ یا واقعہ) کا حکم آیت سے مستنبط فرمایا ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو صحابہ کرام کے سامنے اس سلسلہ میں تلاوت فرمایا ہو، تو یہ (یعنی صحابہ وتابعین) نزلت في كذا کہتے ہیں اور بسا اوقات ان صورتوں میں وہ کہتے ہیں: "فأنزل اللّٰه قوله كذا" (پس اللہ تعالیٰ نے اپنا فلاں ارشاد نازل فرمایا) یا "فنزلت" (پس فلاں آیت نازل کی گئی) اور گویا یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حکم کو آیت سے مستنبط کرنا اور اس (آیت) کا اس گھڑی میں آپ کے قلب مبارک میں ڈالا جانا بھی وحی اور نفث في الروح کی ایک قسم ہے، اس لیے "فأنزلت" کہا جا سکتا ہے، اور اگر کوئی اس کو تکرار نزول سے تعبیر کرے تو اس کے لیے بھی گنجائش ہے۔

www.seerat.net

علم کی لگام جہالت کے ہاتھ میں دے دی ہے اور اس بات سے بالکل بے ضرر ہو گیا ہے کہ کتاب وسنت کے بارے میں جھوٹ بولنے پر آخرت میں کیا کیا سزا اور عذاب سنائے گئے ہیں۔" ①

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"کسی شخص کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ آیات وسور کے نازل ہونے کی وجوہ (اسبابِ نزول) پر بحث کرے، اگر کوئی شخص شانِ نزول بیان کرنا چاہے تو پھر یا تو اس کے پاس صحیح روایات ہونی چاہئیں۔ اور یا پھر یہ وہ شخص ہونا چاہیے، جس نے ان لوگوں سے شانِ نزول سنا ہے، جو اس سورت یا آیت کے نازل ہونے کے موقع پر موجود تھے۔" ②

اس نہایت مختصر سی بحث کے آخر پر ایک حدیث نقل کی جا رہی ہے تا کہ قارئین اس پر غور فرمالیں:

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص بھی جھوٹی قسم کھائے تا کہ وہ اس ذریعے سے کسی مسلمان کا یا اپنے بھائی کا مال ہتھیا لے، تو قیامت میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس حالت میں پیش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ نہایت غصے سے پیش آئیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کے اس جملے (حدیث) کی تصدیق کے لیے یہ آیت نازل کی: (جو لوگ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے

---

① أمـا اليـوم فـكل أحد يخترع شيئا ويختلق إفكا وكذبا ملقيا زمامه إلى الجهالة غير مفكر في الوعيد للجاهل بسبب الآية.
(أسباب النزول، ص: ١٧)

② ولايـحـل الـقـول في أسباب نزول الكتاب، إلا بالرواية والسماع ممن شاهدوا التنزيل ووقفوا على الأسباب، وبحثوا عن علمها وجدوا في الطلاب. (أسباب النزول، ص: ١٦)

www.serat.net

عہد و پیمان اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کر کے ان کی تھوڑی سی قیمت وصول کر لیتے ہیں، تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور اس دن اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے کوئی بات کرے گا اور نہ ہی انہیں نظرِ رحمت سے دیکھے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا۔ اور ان کے لیے تو صرف درد دینے والا عذاب ہی ہوگا۔)

یہ حدیث جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو سنائی تو حضرت اشعث کو بھی علم ہو گیا۔ تو انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے دریافت کیا کہ عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے آپ حضرات کو کیا حدیث سنائی ہے؟ شاگردوں نے یہی روایت دہرادی تو حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یہ آیت میرے اور میرے ایک دوست کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ہم دونوں میں ایک کنوئیں کا جھگڑا تھا۔" ①

اس حدیث پر آپ غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ اس آیت کریمہ کے شان نزول میں دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس آیت کریمہ کا حقیقی شانِ نزول کیا ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ درحقیقت حضرت اشعث رضی اللہ عنہ ہی کے قصے میں نازل ہوئی تھی لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے حکم کو حضرت اشعث رضی اللہ عنہ سے مخصوص کرنے کی بجائے عام مانا اور پھر جب انہوں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی اسی مضمون کی سنی، جو مضمون اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے تو انہوں نے اس آیت اور حدیث کو جمع فرما دیا۔

① عن عبد الله رَضِيَ اللهُ عَنهُ عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قال: "من حلف على يمين كاذبة ليقتطع بها مال رجل مسلم –أو قال: أخيه– لقي الله وهو عليه غضبان"، فأنزل الله تصديقه ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ﴾ [آل عمران: ٧٧].

قال سليمان في حديثه: فمر الأشعث بن قيس فقال: ما يحدثكم عبدالله؟ قالوا له فقال الأشعث: نزلت فِيَّ وفي صاحب لي في بئر كانت بيننا. (الصحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب: عهد الله عزّوجلّ، رقم الحديث: ٦٦٦٠، ص: ٥٥٧)

اور یا پھر یہ مان لیا جائے کہ اس آیت کریمہ کے شان نزول میں یہ دونوں واقعات ہیں۔ کسی موقع پر دونوں واقعات یکے بعد دیگرے پیش آئے ہوں گے تو دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی فہم کے مطابق دو الگ الگ شانِ نزول بیان کردیئے۔

اس موضوع پر مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو۔

① سنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن عن رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

② البرهان للزركشي رَحِمَهُ اللّٰهُ ج: ١

③ الاتقان، ج: ١

④ بحوث في علوم التفسير والفقه والدعوة للدكتور محمد حسين الذهبي وزير الأوقاف السابق

⑤ التبيان لبعض المباحث المتعلقة بالقرآن على طريق الاتقان للشيخ ظاهر الجزائري

یہ بحث تو تھی اس بات پر کہ سورتوں کے آغاز میں جو "مكية" یا "مدنية" لکھا ہوتا ہے تو ان الفاظ سے کیا مراد ہے؟

اب سورۂ فاتحہ کے آغاز میں یہ جو لفظ "مكية" (یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی) آیا ہے، اس کی تشریح کی جاتی ہے کہ اس سورۂ مبارکہ "سورۃ الفاتحۃ" کا نزول کہاں ہوا؟

سورۂ فاتحہ مکی یا مدنی

اس سورۂ مبارکہ کا نزول کہاں ہوا؟ جمہور اہل علم کی رائے ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اور بعض حضرات جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مجاہد، امام زہری اور عطا بن یسار رحمۃ اللہ علیہم کی رائے میں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔

صحیح بات وہی ہے جو جمہور اہل علم کا قول ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔

① اس کے مکی ہونے کی پہلی اور سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ یہ بات طے شدہ کہ "سورۃ الحجر" مکہ مکرمہ ہی میں قبل از ہجرت نازل ہوئی تھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا ایک احسان ذکر فرمایا

ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ.
(پ: ١٤، س: الحجر، آیت: ٨٧)

اور بلاشبہ ہم نے آپ کو سات ایسی آیات دی ہیں، جن کی تلاوت بار بار کی جاتی ہے اور یہ عظمت والا قرآن بھی دیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے سات آیات سے مراد سورۂ فاتحہ ہی لی ہے تو یقیناً مکہ مکرمہ میں "سورۂ فاتحہ"، "سورۂ حجر" سے پہلے نازل ہو چکی تھی اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے نازل شدہ سورت (الفاتحہ) کا تذکرہ فرمایا ہے۔اس لیے ان دونوں سورتوں کی ترتیب اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ "سورۂ فاتحہ"، "سورۂ حجر" سے پہلے نازل ہو چکی تھی اور "سورۂ حجر" یقیناً مکی سورت ہے تو اس سے قبل کی نازل شدہ "سورۂ فاتحہ" بھی یقیناً مکی ہی ہے۔

② احادیث و تاریخ کی متعدد روایات اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم واقعہ معراج سے پہلے بھی مکہ مکرمہ میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ "شرح الهمزية"، میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت رسالت مآب ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم واقعہ معراج سے پہلے یقینی طور پر نماز پڑھا کرتے تھے۔"①

تو کیا کبھی ایسے بھی ہوا ہے کہ ان حضرات نے کوئی نماز سورۂ فاتحہ کے بغیر ادا کی ہو، کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں یہ ثابت ہوتا ہو کہ نماز کبھی سورۂ فاتحہ کے بغیر بھی رہی ہے۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

"اسلام میں کسی ایسی نماز کا وجود نہیں ملتا جس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہ ہو۔"②

اور حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

① كان صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قبل الإسراء يصلي قطعا و كذلك أصحابه. (المنهج المكية في شرح الهمزية، رقم الشعر: ٥٧، ص: ١٨٠)

② لأنه لا يعرف في الإسلام صلاة بغير فاتحة الكتاب. (بصائر ذوي التمييز، بصيرة في الحمد، ج: ١، ص: ١٢٨)

www.seerat.net

”اور اسلام کی تاریخ میں کسی ایسی نماز کا تذکرہ محفوظ نہیں جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو، ابن عطیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔“ ①

اس لیے جب یہ حضرات مکہ مکرمہ میں نماز پڑھتے تھے تو خواہ وہ نماز واقعہ معراج سے پہلے کی ہو جبکہ صرف دو نمازیں تھیں اور خواہ وہ واقعہ معراج کے بعد کی ہو جبکہ پانچ نمازیں فرض تھیں تو ظاہر ہے کہ ہر نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی تھی اس لیے یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی؟ سورۂ فاتحہ یقیناً مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہوئی ہے۔

③ تمام مؤرخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر کو اسلام کی ترویج کا مرکز 4 نبوی کے بعد ہی بنایا ہے۔② اس سے پہلے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز پڑھتے تھے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام کا واقعہ بھی اس سن سے پہلے کا ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ”السيرة النبوية“ میں یہ واقعہ لکھا ہے:

”حضرت رسالت مآب ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (ابتدائے اسلام

---

① ولـم يحفظ أنه كان في الإسلام صلاة بغير الفاتحة، ذكره ابن عطيه وغيره. (الاتقان، فصل: في تحرير السور المختلف فيها، ج: ١، ص: ٤٦)

② سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کے موضوع پر جو بھی کتابیں تحریر کی گئی ہیں، وہاں عام طور پر یہ لکھا ہوا مل جائے گا کہ ساتواں شخص جس نے اسلام قبول کیا حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ تھے ان کا اصل نام عبد مناف بن اسد بن عبد اللہ بن عمر اور کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ بدر سے لے کر آخر تک تمام غزوات میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے۔ صفا پہاڑی کے پاس ان کا گھر تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم کا مرکز بنایا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس گھر میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ آخری شخص جس نے اسلام قبول کیا سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے اور اسی کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد چالیس پوری ہوگئی اور یہ حضرات اس گھر سے نکل کر میدان میں آ گئے اور کھلے بندوں توحید و رسالت کی دعوت دی جانے لگی۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے انہیں مدینہ طیبہ میں ایک گھر بھی عنایت فرمایا تھا۔ ان کی اپنی وصیت کے مطابق ان کا جنازہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔ یاد رہے کہ یہ مبارک گھر الخ اس کے حوالے کے لیے خانقاہ مجیبیہ کے خطوط کی طرف رجوع کرنا ہے۔

(الإصابة، حرف الألف، رقم: ٧٣، الأرقم بن أبي الأرقم رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ج: ١١، ص: ١٩٦، وأسد الغابة، باب: الهمزة مع الراء، رقم: ٧٠، الأرقم بن أبي الأرقم رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ج: ١، ص: ١٨٧، والاستيعاب، باب: حرف الألف، أرقم بن أبي الأرقم المخزومي، رقم: ١٣٣، ج: ١، ص: ٢١٨))

میں) جب نماز ادا کرنا ہوتی تھی تو وہ گھاٹیوں میں چلے جاتے تھے اور مشرکین مکہ سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے، ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاص کچھ اور دوستوں کے ساتھ ایک گھاٹی میں چھپ کر نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک کچھ مشرکین آ گئے اور انہیں حالت نماز میں دیکھ کر بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور پھر لڑائی پر اُتر آئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے ران کی ہڈی اُٹھائی اور ایک مشرک کو دے ماری، اسے گہرا زخم آیا اور یہ کسی مشرک کا پہلا خون تھا جو کہ اسلام کی تاریخ میں لیا گیا۔'' ①

ہمیں اس روایت سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اگرچہ پانچ نمازیں واقعہ معراج کے بعد ہی فرض ہوئیں لیکن ابتدائے اسلام میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز ادا فرماتے تھے۔ تو کیا نماز جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے دوست چھپ کر پڑھ رہے تھے ''سورۂ فاتحہ'' کے بغیر ہی ادا ہوتی ہوگی؟ قیاس اس بات کا متقاضی ہے کہ ان نمازوں میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی تھی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ مکرمہ میں اسلام کے ابتدائی دور ہی میں نازل ہو چکی تھی۔

④ ہجرت سے کچھ پہلے مدینہ منورہ کے کچھ نوجوان لڑکے جن کا تعلق قبیلہ بنوسلمہ سے تھا، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، یہ بیعت عقبہ تھی اور اس میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہم بھی تھے، جب یہ لوٹے تو انہوں نے مدینہ طیبہ میں اسلام کی دعوت دینا شروع کی، حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے والد عمرو بن جموح اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا:

---

① وكان أصحاب رسول الله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا صلوا ذهبوا إلى الشّعاب واستخفوا بصلاتهم من قومهم، فبينا سعد بن أبى وقاص في نفر من أصحاب رسول الله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في شعب من شعاب مكة؛ إذ ظهر عليهم نفر من المشركين وهم يصلّون فناكروهم وعابوا عليهم ما يصنعون حتى قاتلوهم،واقتتلوا، فضرب سعد بن أبي وقاص رجلا من المشركين بلحي بعير فشجّه، فكان أوّل دم أهريق في الإسلام. (السيرة النبوية، الرسول صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يأمرأهله بالعمل الصالح، ج: ١، ص: ١٩٠)

”شاید تمہارا بیٹا اپنے آبائی دین سے ہٹ گیا ہے، اہلیہ نے کہا: ”نہیں وہ تو اپنی قوم کے ساتھ ہے“، پھر انہوں نے اسے (معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو) بلا بھیجا اور کہا: ”سنیے آپ نے اس شخص (حضرت رسالت مآب ﷺ) سے کیا سنا؟“ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے انہیں ﴿الحمد لله رب العلمين﴾ سے لے کر ﴿الصراط المستقيم﴾ تک سورۂ فاتحہ سنائی۔ عمرو بن جموح بولے: ”واہ، واہ کتنا شیریں اور کیا خوبصورت کلام ہے، کیا اس شخص کا سارا کلام ایسے ہی ہے؟ حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”میرے پیارے والد! ان کے پاس تو اس سے بھی زیادہ بہتر باتیں ہیں، کیا مناسب نہ ہوگا کہ آپ ان کی بیعت کر لیں۔“ ①

عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا، اگلے سال بیعت کے لیے حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے، غزوۂ بدر میں شریک ہونا چاہتے تھے لیکن پاؤں کی معذوری کی وجہ سے ان کے بیٹوں نے انہیں روک دیا پھر وہ غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور شہادت پائی، انہیں اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا، اس موقع پر حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت وشہادت بھی دی۔ یہ تمام واقعات سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کے موضوع پر تحریر شدہ کتابوں میں مل جائیں گے۔

ہمیں تو یہاں پر صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ قبل از ہجرت مدینہ منورہ کے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سورۂ فاتحہ پڑھ رہے ہیں اور ان میں سے ایک اپنے والد کو بھی سنا رہے ہیں تو اگر یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی تو

① فلعله صبأ، قالت: قالت لا، ولكن كان مع القوم، فأرسل إليه، فقال: أخبرني ما سمعت من كلام هذا الرجل، فقرأ عليه: ﴿الحمدلله رب العلمين﴾ إلى قوله تعالى ﴿الصراط المستقيم﴾، فقال: ما أحسن هذا وأجمله، وكلّ كلامه مثل هذا؟ فقال: يا أبتاه وأحسن من هذا، قال: فهل لك أن تبايعه. (دلائل النبوة للحافظ الكبير أبى نعيم الأصفهاني المتوفى: ٤٣٠، الفصل السادس عشر، رقم: ٢٢٨، ج: ١، ص: ٣١١. وأسد الغابة، باب العين والميم، عمرو بن الجموح، رقم: ٣٨٩١، ج: ٤، ص: ١٩٤)

انہوں نے کہاں سے سیکھی تھی؟

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ سورۂ مبارکہ قبل از ہجرت، مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہو چکی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے یاد کرلیا تھا اور ہجرت سے بھی پہلے اس سورت نے مدینہ طیبہ کا سفر طے کرلیا تھا۔

⑤ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جلیل القدر تابعی عمرو بن شرحبیل ① الہمدانی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کی ہے کہ:

''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''جب میں تنہا ہوتا ہوں تو ایک آواز سنتا ہوں اور اللہ کی قسم مجھے خوف آتا ہے کہ کہیں یہ آواز کوئی خطرے کی بات نہ ہو'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ کی پناہ ہے، وہ ہرگز آپ کو خوف میں مبتلا نہیں کرے گا، اللہ کی قسم! آپ امانت میں خیانت نہیں کرتے اور آپ رشتہ داروں کا احترام کرتے ہیں اور آپ اپنے قول کے سچے ہیں''، پھر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا تذکرہ ان سے کیا۔ اور فرمایا: ''عتیق! ② آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے پاس لے جائیں''، اتنے میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا: ''چلیے ورقہ کے پاس چلتے ہیں''، آپ نے فرمایا: ''آپ کو کس نے بتایا ہے''، عرض کیا ''خدیجہ رضی اللہ عنہا نے''، یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے اور جو ماجرا پیش آ رہا تھا وہ ورقہ کو سنایا اور فرمایا جب میں تنہائی میں ہوتا ہوں تو اپنے

① ان کی کنیت ابومیسرہ تھی، حضرت عمر، علی، خذیفہ، سلمان فارسی اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں ان کا نام بہت ممتاز ہے۔63ھ میں انتقال ہوا۔(الإصابة، حرف العين، رقم: ٦٥٠٤، ج: ٥، ص: ١١٣)

② حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اصل اسم گرامی۔

www.seerat.net

پیچھے سے یہ آواز سنتا ہوں ''اے محمد! اے محمد! تو میں پھر جلدی سے بھاگ پڑتا ہوں'' ورقہ بولے: ''آپ ایسے مت کیجیے اور آئندہ جو کچھ بھی آپ سے کہا جائے اُسے سنیے اور پھر مجھے آکر بتایئے''، پھر یہ کیفیت پیش آئی اور تنہائی میں آواز آئی: ''اے محمد! (ﷺ) آپ پڑھیے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنعَمتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾، آپ یہ بھی پڑھیے: "لا إله إلا الله"، اس کے بعد آپ ورقہ کے پاس آئے اور یہ پورا واقعہ ان کے سامنے رکھا، ورقہ نے کہا: ''مبارک ہو، بہت مبارک ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ وہی ہستی ہیں جس کی بشارت ابن مریم علیہما السلام نے دی تھی، آپ کی رسالت ایسی ہی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت تھی اور بلاشبہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آپ کو عنقریب جہاد کرنے کا حکم بھی دیا جائے گا اور اگر یہ حکم میری زندگی میں ہی نازل ہوگیا تو میں آپ کی حمایت میں لڑوں گا''، جب ورقہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اس درویش کو سفید کپڑوں میں ملبوس جنت میں دیکھا ہے اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان لائے تھے اور میری تصدیق کی تھی۔'' ①

① أن رسول الله ﷺ قال لخديجة: إني إذا خلوت وحدي سمعت نداء وقد والله خشيت أن يكون هذا أمرا، فقالت: معاذ الله! ما كان الله ليفعل بك، فوالله إنك لتؤدي الأمانة، وتصل الرحم، وتصدق الحديث، فلما دخل أبوبكر وليس رسول الله ﷺ، ثم ذكرت خديجة حديثه له وقالت يا عتيق! إذهب مع محمد إلى ورقة، فلما دخل رسول الله ﷺ أخذ أبوبكر بيده، فقال: انطلق بنا إلى ورقة، فقال: ومن أخبرك؟ قال: خديجة، فانطلقا إليه، فقصّا عليه،

یہ روایت اس دعوے کی بہت مضبوط دلیل ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہوئی تھی۔ زیادہ سے زیادہ جو اعتراض اس روایت پر کیا گیا ہے وہ اس کی سند کا انقطاع یا ارسال ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد سند کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس روایت کی سند میں انقطاع ہے اور اگر اس کی سند محفوظ مان لی جائے تو یہ واقعہ تو سورۂ علق اور سورۂ مدثر کی آیات نازل ہونے سے پہلے کی ہے لیکن یہ خبر آپ نے اس وقت دی جب کہ سورۂ علق وغیرہ، نازل ہوچکی تھیں۔'' ①

حافظ ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت پر کچھ ایسا ہی اعتراض کیا ہے:

> ''یہ روایت مرسل ہے اور غریب ہے۔'' ②

لیکن ان اعتراضات میں کوئی وزن نہیں ہے کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہ روایت مرسل ہی تو ہے اور ثقات کی مراسیل کا حجت اور قابل استدلال ہونا اکثر اہل علم کے نزدیک مسلّم ہے۔ حضرت ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل رحمۃ اللہ علیہ ثقات تابعین میں سے ہیں، اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کی توثیق ہی کی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الإصابة'' میں ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ان کی توثیق کی ہے۔ تو اتنے ثقہ تابعی کی روایت کے بعد صحابی رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کا مجہول ہونا اس روایت کو کچھ ضرر نہیں پہنچاتا کیونکہ اصول حدیث میں

فقال إذا خلوت وحدي سمعت نداء خلفي: يا محمد، يامحمد، فأنطلق هاربا في الأرض، فقال: لاتفعل فإذا أتاك فاثبت حتى تسمع مايقول ثم ائتني فأخبرني، فلما خلا ناداه يامحمد قال: ﴿بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله ربّ العالمين﴾ حتى بلغ ﴿ولاالضالّين﴾ قل: "لا إله إلا الله"، فأتى ورقة فذكر ذلك له فقال له ورقة أبشر، ثم أبشر، فأنا أشهد أنك الذي بشّر به ابن مريم، وأنك على مثل ناموس موسى، وأنك نبيّ مرسل، وأنك سوف تؤمر بالجهاد بعد يومك هذا، ولئن أدركني ذلك لأجاهدنّ معك، فلماتوفّي ورقة، قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لقد رأيت القسّ في الجنة عليه ثياب الحرير، لأنه آمن بي وصدقني يعنى ورقة. (دلائل النبوة للبيهقي رَحِمَهُ اللهُ، باب: أول سورة نزلت من القرآن، ج: ٢، ص: ١٥٨)

① فهذا منقطع، فإن كان محفوظا فيحتمل أن يكون خبرا عن نزولها بعد ما نزلت عليه: ﴿اقرأ باسم ربك، ويأأيها المدثّر﴾. (دلائل النبوة للبيهقي رَحِمَهُ اللهُ، باب أول سورة نزلت من القرآن، ج: ٢، ص: ١٥٩)

② وهو مرسل و فيه غرابة. (البداية والنهاية، ذكر عمره عَلَيْهِ السَّلَامُ وقت بعثته وتاريخها، ج: ٣، ص: ١٠)

www.seerat.net

یہ بات مسلّم ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدول تھے۔

اسی روایت کو ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے "المصنف"، میں بھی لیا ہے اور اس کی سند پر اسی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے دورِ حاضر کے مشہور محقق علامہ محمد عوّامہ مدظلہم رقمطراز ہیں:

"یہ روایت مرسل ہے اور اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل رحمۃ اللہ علیہ اجل مخضرمین ① میں سے ہیں اور یہ اصول اس سے پہلے متعدد مرتبہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ بلند مرتبہ متقدمین (تابعین) کی روایات میں ارسال، علم حدیث کے بعض علماء کے نزدیک مضر نہیں۔" ②

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "الإتقان" میں اسی روایت کی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ روایت مرسل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔" ③

رہ گیا علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعتراض کہ اس حدیث میں غرابت و نکارت پائی جاتی ہے تو اگر وہ اس غرابت و نکارت کی وجوہ تحریر فرما دیتے تو اس کا جائزہ بھی لے لیا جاتا۔

اس لیے یہ روایت اس دعوے کی دلیل ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہوئی ہے اگرچہ اس سورت کے نزول کی خبر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از نزول "سورۂ علق" و "سورۂ مدثر" ہی کیوں نہ دی ہو۔

اسی طرح کی ایک اور روایت جو کہ مشہور جلیل القدر تابعی حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، اُسے امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۱۲۶ھ۔۲۱۱ھ) اپنی تفسیر "تفسیر القرآن العزیز" میں لائے ہیں اور اس کی سند بہت عمدہ ہے، یہ ہے:

---

① مخضرم وہ شخص جس نے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں کو پایا ہو۔

② وهـذا حـديـث مرسل، رجاله ثقات، وأبوميسرة: عمرو بن شرحبيل، من أجلاء المخضرمين، وتقدم مرارا أن مرسل الكبار المتقـدمين لايضر عند بعضهم. (المصنف لأبي شيبة، كتاب المغازي، باب:٤، ماجاء في مبعث النبي صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم: ٣٧٧١٠، ج: ٢٠، ص: ٢٣٢)

③ هذا مرسل رجاله ثقات. (الإتقان، النوع السابع: معرفة أوّل مانزل، القول الثالث، ج: ١، ص: ٩٤)

”عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر سے اور وہ قتادہ سے کہ سورۂ فاتحہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔“ ①

اب اس بحث کے بعد آیئے ہم جائزہ لیتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے مدینہ منورہ میں نازل ہونے کی روایت کس کی ہے؟

یہ روایت حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”المعجم الأوسط“ میں بیان کی ہے:

”مجاہد (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی تو ابلیس (غم سے) چلاّیا اور یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔“ ②

سورۂ فاتحہ کے نزول پر ابلیس کا حسد اور دکھ کے مارے چلاّنا تو ایسی بات ہے کہ جس کی خبر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ اگرچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صراحتاً اس روایت کی نسبت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی لیکن اصول وقیاس کا تقاضا ہے کہ یہ روایت مرفوع تسلیم کی جائے۔ کیونکہ مفسرین کے نزدیک یہ اصول طے شدہ ہے کہ جب کوئی صحابی کسی آیت کریمہ کی ایسی تفسیر کریں جس تفسیر میں ان کی رائے کا کچھ دخل نہ ہو، تو تفسیر کی وہ روایت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث شمار کی جائے گی۔

امام بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل بحث اس موضوع پر کی ہے اور تحریر فرماتے ہیں:

”صحابی رضی اللہ عنہ کی تفسیر ان (مفسرین) کے نزدیک حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع کا حکم رکھتی ہے، جیسا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس اصول کا تذکرہ فرمایا ہے، حنابلہ میں سے ابوالخطاب کا قول یہ ہے کہ: ”اگر ہم اس اصول کے قائل ہوں کہ صحابی رضی اللہ عنہ کا قول

---

① عبدالرزاق، عن معمر، عن قتادة، قال: ”نزلت فاتحة الكتاب بمكة“. (تفسير القرآن العزيز لأبي بكر عبدالرزاق، سورة الفاتحة، ج: ١، ص: ٦١)

② عن مجاهد عن أبي هريرة، أنّ ابليس رن حين أنزلت فاتحة الكتاب، وأنزلت بالمدينة. (المعجم الأوسط، من اسمه عبيد، رقم: ٤٧٨٨، ج: ٣، ص: ٣٤٢)

www.seerat.net

حجت شرعی نہیں ہے تو پھر اس اصول کو تسلیم نہیں کیا جائے گا'' لیکن پہلا اصول ہی درست ہے کیونکہ (رضی اللہ عنہ کی) تفسیر روایت کے باب سے ہے نہ کہ محض ان کی اپنی رائے ہے۔''①

روایت کے اس حصے سے تو سورت مبارکہ کے مکی یا مدنی ہونے کا کچھ تعلق بھی نہیں۔ اصل جملہ جو مفید مطلب ہے وہ دوسرا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ کیا یہ جملہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے؟
محققین کی تحقیق یہ ہے کہ یہ جملہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے بلکہ یہ جملہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور یہ اس روایت میں ''اِدْرَاج'' ہے۔

''ادراج'' کا مطلب اصول حدیث میں یہ ہے کہ:

''راوی اپنے استاد سے کوئی روایت بیان کرے اور اس روایت کے آخر پر یہ راوی کوئی جملہ اپنی طرف سے بڑھا دے اور اس کے بعد والے راوی یعنی اس کے شاگرد یہ سمجھیں کہ یہ جملہ بھی پہلے شخص کا ہے۔''②

''إدراج'' کی ایک بہترین مثال صحیح بخاری کی وہ روایت ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نیک شخص اگر کسی کا غلام ہو، تو اس کے لیے ہر نیک کام پر دُہرا اجر ہے۔ اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر اللہ تعالی کی راہ میں جہاد، حج اور

---

① فإن تفسيره عندهم بمنزلة المرفوع إلى النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كما قاله الحاكم في تفسيره. وقال أبو الخطاب من الحنابلة: يحتمل ألا يرجع إليه إذا قلنا أن قوله ليس بحجة. والصواب الأول؛ لأنه من باب الرواية لا الرأي. (البرهان، النوع الحادي والأربعون، فصل: الثاني: الأخذ بقول الصحابي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، ج: ٢، ص: ١٥٧)

② بأن يذكر الراوي عقيبه كلاما لنفسه أو لغيره، فيرويه من بعده متصلا، فيتوهم أنه من الحديث. (تدريب الراوي، النوع العشرون: المدرج، ج: ١، ص: ٣٠٨)

وهو: أن تزاد لفظة في متن الحديث من كلام الراوي، فيحسبها من يسمعها منه مرفوعا في الحديث، فيرويها كذلك. (الباعث الحثيث، النوع العشرون: معرفة المدرج، ص: ٥٨)

www.seerat.net

اپنی والدہ کی خدمت، یہ نیک کام (غلامی میں رکاوٹ) نہ ہوتے تو مجھے یہ پسند تھا کہ موت اس حال میں آتی کہ میں کسی کا غلام ہوتا۔'' ①

اس روایت کے الفاظ پر اگر غور کیا جائے، تو کیا یہ قسم اور جن تین کاموں پر قسم کھائی گئی ہے کیا حضرت رسالت مآب ﷺ کے الفاظ ہو سکتے ہیں؟ ان کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا انتقال تو بچپن ہی میں ہو گیا تھا اس لیے کیسے یہ ارشاد فرما سکتے ہیں کہ ان کی خدمت میری راہ کی رکاوٹ ہے؟

اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کیا حضرت رسالت مآب ﷺ منصب نبوت کے شہ بالا نشیں کبھی غلام ہونے کی تمنا بھی کر سکتے تھے، معاذ اللہ ہرگز نہیں۔ تو پھر یہ آخری جملے کس کے ہیں؟ درحقیقت یہ قسم اور اس کے بعد کے جملے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اپنے ہیں، وہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ تین نیکی کے کام غلامی میں رکاوٹ نہ بنتے تو میں تا حیات غلام رہنا ہی پسند کرتا لیکن بیان اس طرح سے کیے گئے ہیں کہ اصل روایت کا جزو معلوم ہوتے ہیں۔ سو راوی جب روایت میں ایسے جملے بیان کرتا ہے، جو درحقیقت اس کے اپنے جملے ہوتے ہیں اور اصل روایت کا متن ان جملوں کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے تو راوی کے انہی جملوں کے اضافے کو ادراج کہا جاتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں نقل فرماتے ہیں:

''داودی اور ابن بطال اور ان کے علاوہ متعدد علمائے حدیث کا کہنا ہے کہ (اس حدیث کے آخری جملے) یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا ادراج ہے اور خود حدیث کے معانی سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ''والدہ صاحبہ کی خدمت'' تو حضرت رسالت مآب ﷺ کی والدہ صاحبہ تو حیات تھیں ہی نہیں کہ آپ ان کی خدمت کا تذکرہ فرماتے، تو معلوم ہوا کہ یہ آخری جملے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ادراج ہے۔'' ②

① قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: للعبد المملوك الصالح أجران، والذي نفسي بيده، لو لا الجهاد في سبيل الله، والحج، وبرّ أمي، لأحببت أن أموت وأنا مملوك.(الصحيح البخاري، كتاب العتق، باب: العبد إذا أحسن عبادة ربه ونصح سيده، رقم: ٢٣٤٨، ص: ٢٠٠)

② وجزم الداودي وابن بطال وغير واحد بأن ذلك مدرج من قول أبي هريرة، ويدل عليه من حيث المعنى قوله: "وبرّ أمي"

اس (ادراج) کی دوسری مثال خود اس روایت کا یہ جملہ ہے کہ سورۂ فاتحہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، یہ جملہ درحقیقت حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ہے اور اس روایت کے آخر پر ایسے طریقے سے نقل ہو گیا ہے کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کے رواۃ نے یہ سمجھا کہ یہ جملہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ حالانکہ انہوں نے نہیں فرمایا بلکہ یہ صرف حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ''اِدْرَاج'' ہے۔

اس روایت میں ''ادراج'' کا ثبوت حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت بھی ہے جو کہ ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں وارد ہوئی ہے:

> ''مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ﴿الحمد لله رب العلمين﴾ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔''①

اب یہاں پر صرف ان کا اپنا قول ہے اور وہ اس کی نسبت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھی نہیں کر رہے۔ اور جن روایت میں براہ راست یہ بات نقل کی گئی ہے② کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سورۂ فاتحہ کے مدنی ہونے کا قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بتاتے ہیں درحقیقت ان روایات میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کے رواۃ کے پیش نظر طبرانی کی وہ روایت رہی ہوگی جو اس بحث کے آغاز میں ذکر کی گئی ہے اور انہوں نے اس روایت کو بالمعنی قرار دیا ہوگا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ یہاں ہی ذکر نہیں کیا گیا، علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ''ادراج'' ہی قرار دیا ہے:

> ''منصور، مجاہد سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی تو شیطان چلّایا اور یہ سورت مدینہ طیبہ

فإنه لم يكن للنبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حينئذ أمّ يبرّها. (فتح الباري، كتاب العتق، باب العبد إذا أحسن عبادة ربه ونصح سيده، ج: ٥، ص: ١٧٦)

① عن مجاهد قال: ﴿الحمد لله رب العلمين﴾ أنزلت بالمدينة. (المصنف، كتاب: فضائل القرآن، ٣٨: ما نزل من القرآن بمكة والدينة، رقم: ٣٠٧٧١، ج: ١٥، ص: ٥١٤)

② عن مجاهد، عن أبي هريرة قال: أنزلت فاتحة الكتاب بالمدينة. (المصنف، كتاب: فضائل القرآن، ٣٨: ما نزل من القرآن بمكة والدينة، رقم: ٣٠٧٦٥، ج: ١٥، ص: ٥١٣)

www.seerat.net

میں نازل ہوئی۔ اس روایت کی سند کے افراد ثقہ ہیں اور اس روایت پر اگر نقد کیا جائے تو میرے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ یہ آخری جملہ (سورت کے مدنی ہونے کا) اس روایت میں ادراج ہے اور یہ جملہ انہوں (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) نے نہیں کہا ہوگا۔'' ①

مرجع اہل عراق، مفتی بغداد علامہ شہاب الدین محمد آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد قرار دیا ہے رحمۃ اللہ علیہ

''حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ مدنی ہے اور اس رائے میں وہ اکیلے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی اس رائے کو تفسیر میں لغزش قرار دیا گیا ہے۔'' ②

اور پھر علامہ موصوف ہی اس کے حاشیے میں فرماتے ہیں:

''مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اس (مدنی ہونے کے) قول سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں دس سال تک نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے ادا فرماتے رہے ہیں اور یہ ناممکن بات ہے۔'' ③

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کو کس نے ان کی لغزش قرار نہیں دیا؟ ابن عادل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''حسین بن فضل نے کہا کہ ہر عالم سے لغزش ہوتی ہے اور یہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی لغزش ہے۔ اس لیے کہ علمائے کرام رحمہم اللہ اس بات (سورت کے مدنی ہونے) کے خلاف ہیں۔'' ④

---

① عن منصور عن مجاهد عن أبي هريرة رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أن إبليس رنّ حين أنزلت فاتحة الكتاب وأنزلت بالمدينة، هذا إسناد رجاله رجال الصحيح، وقد كان خطر لي في القدح فيه أن الجملة الأخيرة منه مدرجة في الحديث وليست منه. (التخبير في علم التفسير، النوع الأول والثاني، المكي والمدني، ص: ٥١)

② وعن مجاهد أنّها مدنية وقد تفرّد بذلك حتى عدّ هفوة منه. (روح المعاني، سورة فاتحة الكتاب، ج: ١، ص: ٣٥)

③ ويلزم منه أنه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صلى بضع عشرة سنة بلا فاتحة وهي خاتمة في البعد اهـ منه. (أيضا كما تقدم)

④ قال الحسين بن الفضل: لكل عالم هفوة، وهذا هفوة مجاهد؛ لأن العلماء رَحِمَهُمُ اللّٰهُ على خلافه. (اللباب، القول في النزول، ج: ١، ص: ١٦٦)

www.seerat.net

اس تمام بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ محققین نے اس سورۂ مبارکہ کو مکی ہی قرار دیا ہے۔

سورۂ فاتحہ کے مدنی ہونے کا شبہ غالبًا اس وجہ سے بھی ہوا ہوگا کہ ''صحیح مسلم'' اور ''سنن النسائی'' میں ایک روایت ایسی آئی ہے جس سے اس شبہے کی تائید ہوتی ہے:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اُوپر سے ایک دھماکے کی آواز آئی۔ عرض کیا ''یہ آسمان کے ایک ایسے دروازے کے کھلنے کی آواز ہے، جو آج تک نہیں کھولا گیا تھا''۔ ایک فرشتہ اس سے دنیا میں نازل ہوا پھر عرض کیا ''یہ ایک ایسا فرشتہ اس دروازے سے اس دنیا میں آیا ہے جو آج سے پہلے کبھی اس زمین پر نہیں آیا'' اس فرشتے نے سلام پیش کیا اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ''میں آپ کو دو ایسے نوروں کی بشارت دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں جو نور آپ سے پہلے کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا نہیں کیے گئے۔ (۱) سورۂ فاتحہ (۲) سورۂ بقرہ کی آخری آیات ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ سے لے کر سورت کے اختتام تک)۔''①

اس حدیث کی وجہ سے یہ شبہہ ہوسکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی

---

① عن ابن عباس رضي الله عنهما قال بينا جبريل قاعد عند النبي صلى الله عليه وسلم، سمع نقيضا من فوقه، فرفع رأسه، فقال: "هذا باب من السماء فتح اليوم، لم يفتح قطّ إلّا اليوم، فنزل منه ملَك، فقال: هذا ملَك نزل إلى الأرض، لم ينزل قط ① إلا اليوم، فسلّم، وقال: أبشر بنورين أوتيتهما لم يؤتهما نبيّ قبلك: فاتحة الكتاب، وخواتيم سورة البقرة، لن تقرأ بحرف منهما إلا أعطيته". (صحيح مسلم، كتاب: صلاة المسافرين وقصرها، باب: فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة، رقم: ۱۸۷۷، ص:۸۰٤)

---

① وقد نظم شيخنا عبد الباسط بن محمد البورني المناسي رحمه الله لغاتها:

وَخَمْسَةً جَعَلَ مَنْ قَطُّ ضَبَطُ   قَطُّ وَقُطُّ قَطِّ ثُمَّ قُطُ قَطْ

(شرح سنن النسائي المسمى بـ"ذخيرة العقبى"، ج: ۱۱، ص: ۲۹۲)

www.seerat.net

ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کا نزول مکہ مکرمہ میں ہو چکا تھا صرف ان دونوں کی بشارت اور ان کے یہ ''نورِ عظیم'' ہونے کی تصریحات کا نزول باقی تھا، چنانچہ وہ مدینہ طیبہ میں اِس فرشتے علیہ السلام نے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس توجیہ کا ذکر کیا ہے:

> ''سو حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے لیے اسے لے کر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئے تھے اور یہ دوسرا فرشتہ اس کے ثواب (نور) کی بشارت لے کر مدینہ طیبہ میں حاضر خدمت ہوا تھا۔''①

اس لیے اس متذکرۂ بالا روایت سے بھی اس دعوے کی کوئی تائید نہیں ہوتی کہ سورۂ فاتحہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے ''ادراج'' اور ''صحیح مسلم'' کی اِن روایات کو دیکھ کر جن حضرات کو یہ خیال آیا کہ یہ سورت مدنی ہے، جب ان کی نگاہ اس کے مکی ہونے کی تصریحات پر پڑی ہوگی تو انہوں نے ان دونوں روایات کو تطبیق دینے کی کوشش کی ہوگی۔ اس گمان کا تقاضا یہ ہے کہ جن مفسرین نے بھی یہ کہا ہے کہ سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ تو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ یعنی دو مرتبہ نازل ہوئی، انہوں نے ان دونوں اقوال (مکی یا مدنی ہونے) کی تطبیق میں ہی یہ قول اختیار کیا ہے۔

حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف سورۂ فاتحہ ہی کا نزول مکرر نہیں بتایا بلکہ مستقل باب اس سلسلے میں باندھا ہے کہ:

> ''قرآن کریم کے وہ حصے جو دو مرتبہ نازل ہوئے ہیں۔''

اور پھر لکھا ہے:

> ''علمائے متقدمین اور متأخرین کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ قرآن کریم میں ایسی آیات ہیں جو مکرر نازل ہوئی ہیں۔ ابن حصار رحمۃ اللہ علیہ

---

① فیکون جبرئیل عَلَيۡهِ ٱلسَّلَامُ نزل بتلاوتها بمکة ونزل الملك بثوابها بالمدینة. (الجامع للأحکام القرآن، تفسیر سورة الفاتحة، الباب الثانی: في نزولها وأحکامها، رقم: الثالثة، ج: ۱، ص: ۱۷۹)

نے فرمایا: ''موعظت اور تذکیر کی غرض سے آیاتِ قرآنی کا نزول مکرر ہوا ہے اور سورۂ نحل کی آخری آیات اور سورۂ روم کی ابتدائی آیات اس سلسلے میں مثال ہیں اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے آیۃ الروح کے بارے میں بھی یہ ذکر کیا ہے اور ایک جماعت نے سورۂ فاتحہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مکرر نازل ہوئی ہے۔'' ①

لیکن اس رائے کو کہ ــــــ قرآن کریم کے کچھ حصوں کا مکرر نزول ہوا ہے ــــــ ماننے میں بہت تأمل ہے اور ذہن میں دو بڑے سوالات اٹھتے ہیں:

ایک تو یہ کہ اس دعوے کی دلیل کیا ہے ــــــ؟

حضرت صاحب وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن نازل ہوا ہے کیا کسی مستند روایت سے یہ بات ثابت ہوسکتی ہے کہ وہ بھی آیات کے مکرر نزول کے قائل تھے؟ احادیث وتفاسیر کا مستند ذخیرہ اس بارے میں بالکل خاموش ہے اور یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس کا فیصلہ عقل انسانی پر موقوف نہیں ہے، یہ مسئلہ خالصتاً نقل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اس نقل کی کوئی مستند گواہی قرنِ اوّل میں نہیں ہے تو بعد والے جو مکرر نزول کے قائل ہوئے ہیں، یہ ان کی ذاتی رائے ہے جس کا وزن جتنا کچھ بھی ہو لیکن اس رائے کو قرنِ اول کی کوئی سند حاصل نہیں ہے تو پھر ان کی ذاتی رائے سے اختلاف کرنا جبکہ مسئلہ نقل سے ثابت نہ ہو، کچھ ایسا جرم نہیں ہے جس پر شرعاً کوئی گرفت کی جاسکے، مستند کتب احادیث وتفاسیر سے ابھی تک تو یہی بات سامنے آتی ہے۔ ولعلّ اللّٰہ یحدث بعد ذلک أمرا.

دوسرا بڑا سوال یا الجھن جو پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ جن آیات کا نزول بار بار ہوتا رہا ہے جیسے سورۂ قمر: ۲۷، میں ﴿فھل من مدّکر﴾ کے الفاظ چھ مرتبہ آئے ہیں، پھر اسی سورت میں یہ الفاظ ﴿فکیف کان عذابی ونذر﴾ کے الفاظ بھی بار بار چار مرتبہ آئے ہیں، اسی پارے میں سورۂ رحمٰن کی مشہور آیت ﴿فبأیّ اٰلآء ربّکما

---

① **ماتکرر نزوله** : صرح جماعة من المتقدمين والمتأخرين، بأنّ من القرآن ماتكرّر نزوله، قال ابن الحصار: قد يتكرّر نزول الآية تذكيرا وموعظة، وذكر من ذلك خواتيم سورة النحل وأوّل سورة الرّوم. وذكر ابن كثير منه آية الرّوح. وذكر قوم منه الفاتحة. (الإتقان في علوم القرآن، النوع الحادي عشر، ج: ١، ص: ١٣٠)

تکذّبان ﴾ اکیس بار آئی ہے، سورۂ مرسلٰت، پارہ:۲۹ میں ﴿ ویل للمکذّبین ﴾ کی آیت کریمہ دس مرتبہ آئی ہے، یہ تمام آیات جب مکرر نازل ہوئی ہیں تو آج ہمیں قرآن کریم میں مکرر درج شدہ بھی ملتی ہیں، اگر سورۂ فاتحہ یا کوئی بھی دوسری سورت یا آیات مکرر نازل ہوئی ہیں تو وہ مکرر درج کیوں نہیں ہیں؟ سورۂ فاتحہ اگر ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور پھر دوبارہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہیں تو پھر قرآن حکیم میں ایک ہی مرتبہ کیوں تحریر ہے، دو مرتبہ کیوں نہیں؟ متذکرۂ بالا مثالوں میں ایک ہی آیت اگر چھ مرتبہ نازل ہوئی ہے تو چھ مرتبہ، چار بار نازل ہوئی ہے تو چار مرتبہ اور اکیس بار نازل ہوئی ہے تو اکیس مرتبہ ہی درج ہیں، سورۂ فاتحہ دو مرتبہ کیوں نہیں؟

علامہ نظام الدین نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۲۸ھ بھی اس مسئلے کو اٹھاتے ہیں اور لکھتے ہیں:

> "اور سورۂ فاتحہ کے مکی یا مدنی ہونے کی بحث کو علماء کی ایک جماعت نے اس طرح حل کیا ہے کہ یہ سورت ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے لیکن اگر یہ قول مان لیا جائے تو پھر یہ سورت قرآن کریم میں تو دو مرتبہ تحریر نہیں کی گئی کیونکہ اس سورت کا دو مرتبہ نازل ہونا تواتر سے ثابت نہیں ہے۔" ①

ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی ہر ہر آیت اور تمام قرائتیں تواتر ہی سے ثابت ہیں تو جب سورۂ فاتحہ کا دو مرتبہ نازل ہونا ہی تواتر سے ثابت نہیں ہے تو پھر اس قول میں جو وزن رہ جاتا ہے، اہل علم اُسے بخوبی جانتے ہیں۔

امام عبداللہ بن احمد النسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث میں جو تحریر فرمایا ہے، اس کی کیا اصل ہے؟ اس کا بھی کچھ سراغ نہیں ملتا، انہوں نے تو اس سورت کے مدینہ منورہ میں نازل ہونے کا زمانہ بھی متعین کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

> "سورۂ فاتحہ مکی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ مدنی ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی، مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب نماز فرض کی گئی اور مدینہ منورہ میں اس وقت جب تحویل قبلہ کا واقعہ پیش

---

① وقد جمع طائفة من العلماء بين القولين فقالوا إنها نزلت بمكة مرة وبالمدينة أخرى، وعلى هذا فإنها لم تثبت في المصحف مرتين؛ لأنه لم يقع التواتر على نزولها مرتين. (غرائب القرآن ورغائب الفرقان، تفسير سورة الفاتحة، ج: ١، ص: ٨٣)

www.seerat.net

آیا۔‘‘①

لیکن تحویل قبلہ کے وقت یہ سورت مکرر نازل ہوئی ہو،اس کی سرے سے کوئی روایت ہی نہیں ہے،ممکن ہے یہ ان کا اپنا گمان ہو لیکن اس گمان کو قرنِ اوّل سے کوئی تائید حاصل نہیں۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ عجیب بات تو وہ ہے جو حضرت ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۷۵ھ نے تحریر فرمائی ہے:

> ’’اور یہ کہا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ آدھی تو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور آدھی مدینہ طیبہ میں۔‘‘②

اسی تفسیر کے ایک مخطوطے میں یہ الفاظ ہیں:

> ’’اس سورت کا کچھ حصہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوا اور کچھ مکہ مکرمہ میں۔‘‘③

مطبوعہ نسخے کے حاشیے میں اس خطی نسخے کا تذکرہ ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’یہ بات بہت ہی کمزور ہے اور قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔‘‘④

یہ ایسا قول ہے جس کی تائید نقل تو درکنار عقل بھی نہیں کرتی۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں نماز فرض ہونے سے پہلے، یہ پہلی مکمل سورت تھی جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

مزید تائید و تصریح کے لیے علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر ملاحظہ ہو:

---

① مكية وقيل مدنيّة والأصح أنها مكيّة ومدنيّة، نزلت بمكّة حين فرضت الصلاة، ثم نزلت بالمدينة حين حوّلت القبلة إلى الكعبة. (تفسير النسفي، فاتحة الكتاب، ج:١، ص: ٢٩)

② ويقال: نصفها نزل بمكة ونصفها نزل بالمدينة. (تفسير السمرقندي المسمى بـ"بحر العلوم"، ج: ١، ص: ٧٨)

③ بعضها نزلت بالمدينة وبعضها بمكة. (أيضا كما تقدم)

④ وهو غريب جدا نقله القرطبي عنه. (تفسير القرآن العظيم لابن كثير، سورة الفاتحة، ج: ١، ص: ٩٧)

www.seerat.net

> ’’آیاتِ قرآنی میں سے تو سب سے پہلی آیت کریمہ ﴿اقـراء بـاسـم ربك﴾ نازل ہوئی اور دین کو پھیلانے اور کفار کو دعوت دینے کے سلسلے میں پہلی آیت ﴿یـأیّھـا الـمـدثـر﴾ نازل ہوئی اور سورتوں میں سے سب سے پہلی مکمل سورت سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔‘‘ ①

”أوّل مانزل“ (سب سے پہلے کیا نازل ہوا؟) کے معاملے میں یہ ایک عمدہ تطبیق ہے۔

ابن عاشور نے بھی اپنی مایہ ناز تفسیر ”التحریر و التنویر“ میں مختلف روایات کو تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

> ’’جمہور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور بہت سے حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو مکمل طور پر نازل ہوئی۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے پہلے ﴿اقرأ بـاسـم ربك﴾ اور سورۂ مدثر نازل ہو چکی تھیں، سورۂ فاتحہ اس کے بعد نازل ہوئی ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس (سورۂ فاتحہ) سے پہلے سورۂ ن والقلم اور سورۂ مزمل بھی نازل ہو چکی تھیں۔ بعض اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو مکمل نازل ہوئی ہے یعنی کچھ، کچھ آیات کر کے نازل نہیں ہوئی، جبکہ سورۂ ن والقلم تو ٹکڑوں کی صورت میں نازل ہوئی ہے، بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں پر نماز فرض ہوئی تھی، حضرت جابر بن زید کی روایت کے مطابق سورتوں کے نازل ہونے کی ترتیب: (① العلق، ② المدثر، ③ ن والقلم، ④ المزمل) میں اس سورت کا پانچواں شمار بنتا ہے۔‘‘ ②

---

① أن أول مـانزل من الآيات ﴿**اقراء باسم ربك**﴾، وأول مـا نزل من أوامر التبليغ ﴿**يـأيّها المدثر**﴾ وأوّل مـا نزل من السور سورة الفاتحة. (البرهان، النوع العاشر: معرفة أوّل مانزل من القرآن، ج: ١، ص: ٢٠٧)

② وهذه السورة مكية باتفاق الجمهور، وقال كثير إنها أول سورة نزلت، والصحيح أنه نزل قبلها ﴿**اقرأ باسم ربك**﴾ وسورة

لیکن بات پھر وہیں پہنچ کر رک جاتی ہے کہ پہلی مکمل سورت کون سی نازل ہوئی تھی اور جواب پھر وہی بنتا ہے...... سورۂ فاتحہ۔ کیونکہ اگر بالفرض جابر بن زید کی روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ چاروں سورتیں ((۱) العلق، (۲) المدثر، (۳) القلم، (۴) المزمل) مکمل طور پر نازل ہو چکی تھیں، مراد یہ ہے کہ ان کی کچھ کچھ آیات نازل ہو چکی تھیں، نبوت و رسالت کا آغاز ہو چکا تھا اور نماز فرض ہونے سے پہلے جو سورت مکمل طور پر نازل ہوئی، وہ سورۂ فاتحہ تھی۔

اگر حضرت رسالت مآب ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ کوئی قول ملتا تو اس طویل علمی بحث کی ضرورت ہی پیش نہ آتی لیکن وہ مفقود ہے۔

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابوبکر کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''قاضی ابوبکر نے ''الانتصار'' میں لکھا ہے کہ (سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کے متعلق) جتنے بھی اقوال ہیں، ان میں سے کوئی ایک قول بھی ایسا نہیں ہے جو صحیح طور سے حضرت رسالت مآب ﷺ سے ثابت ہو، جس کسی نے بھی کسی قول کو لیا ہے تو وہ اس کا اجتہاد ہی ہے اور یا پھر اس کا غالب گمان ہے۔ اور یہ بحث دین کے بنیادی فرائض کے متعلق نہیں ہے کہ اگر بالفرض کسی شخص کا قول صحیح نہ ہو تو اس پر اُسے موردِ طعن ٹھہرایا جائے۔'' ①

المدثر ثم الفاتحة، وقيل نزل قبلها أيضا نٓ والقلم وسورةالمزمل، وقال بعضهم هي أول سورة نزلت كاملة أي غير منجمة، بخلاف سورة القلم، وقد حقّق بعض العلماء أنها نزلت عند فرض الصلاة فقرأ المسلمون بها في الصلاة عند فرضها، وقد عدت في رواية عن جابر بن زيد السورة الخامسة في ترتيب نزول السور. (التحرير والتنوير، سورة الفاتحة، ج: ۱، ص: ۱۳۵)

① قال القاضی ابوبکرفی ''الانتصار'':وهذه الأقوال ليس فی شیء منها ما رفع الی النبی صلی الله عليه وسلم. ويجوز أن يكون قاله قائله بضرب من الاجتهاد،وتغليب الظنّ،وليس العلم بذلك من فرائض الدين،حتی يلزم ماطعن به الطاعنون من عدم الضبط.

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حوالہ درحقیقت ''الانتصار'' کی ایک طویل عبارت کا خلاصہ ہے، جو کہ یہاں نقل کیا گیا ہے، وگرنہ قارئین اگر ''الانتصار'' کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں گے تو وہ بڑے سائز کے تقریباً ڈیڑھ صفحے پر مشتمل ہے اور علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی تلخیص کی ہے۔

www.seerat.net

اٰیاتُھَا

اس سورت کی سات آیات ہیں

لفظ آیت کی لغوی اور اصطلاحی تشریح:

لفظ"اٰیۃ" علامت یا نشانی کو کہتے ہیں اور راستے کے وہ نشانات جو مسافر کی رہنمائی کرتے ہیں، انہیں "آیات" کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم کے ہر جملے کو آیت یا تو اس لیے کہا جاتا ہے کہ ہر ہر جملہ (آیت) ہدایت کا واضح نشان ہے۔①

اور یا پھر اس لیے کہ یہی لفظ "الآیۃ" جماعت، گروہ اور جتھے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ عرب یہ محاوہ بولتے ہیں:

"لوگ اپنے پورے جتھے یا گروہ سمیت ایسے گئے کہ اپنے پیچھے کسی کو نہ رہنے دیا۔"②

تو چونکہ ہر آیت بھی حروف کی ایک فوج یا جتھا ہوتی ہے اس لیے کلام کے ہر ٹکڑے کو"آیت" کہا گیا ہے۔

لغت کے بعد لفظ"آیت" کو بطور اصطلاح لیا جائے تو پھر قرآن کریم کا ہر وہ جملہ، جس کی ابتداء اور انتہاء ہے، آیت کہلائی اور یہ سب سے پہلی تقسیم ہے جو کلام باری تعالیٰ میں ہوئی۔

"آیت: الفاظ کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جس کی ابتداء بھی ہو اور انتہاء بھی اور وہ قرآن کریم کی کسی بھی سورت کا ایک حصہ ہو۔"③

حضرت رسالت مآب ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا یہ پاک کلام مسلسل نازل ہوتا تھا اور کوئی کلام خواہ کتنا ہی مسلسل ہو اس

---

① وقال ابن حمزة: الآية من القرآن كأنها العلامة التي يفضى منها إلى غيرها، كأعلام الطريق المنصوبة للهداية كما قال:

ـــــإذا مضـى علـم منهـا بـدا علـمـــــ (لسان العرب، ج:١، ص:٢٨٢)

② الآية: الجماعة، عن أبي عمرو، يقال: خرج القوم بآيتهم، أي بجماعتهم لم يدعوا وراء هم شيئا. (تاج، ج:١٩،ص:١٨١)

③ إن الآية في الاصطلاح هي طائفة ذات مطلع ومقطع مندرجة في سور من القرآن الكريم. (المحرر الوجيز للشيخ محمد المتولي رَحِمَهُ ٱللَّٰهُ، ص: ٤١)

www.seerat.net

میں کہیں نہ کہیں ٹھہرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، ایک فقرے کو دوسرے فقرے سے الگ کیا جاتا ہے اور کچھ یہی صورتحال اللہ تعالیٰ کے اس پاک کلام میں بھی پیش آئی اور ایک جملے (آیت) کو دوسرے جملے (آیت) سے الگ کیا گیا۔ کلام الٰہی کا ہر ایک جملہ، جس کی ابتداء اور انتہاء ہے، آیت کہلائی اور یہ سب پہلی تقسیم ہے جو کلام باری تعالی میں ہوئی۔

آیات کی ابتداء وانتہاء اور پھر ان کو مرتب کروا کر سورتوں کو تشکیل دینا، یہ تمام مراحل اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود اپنے ذمے لے لیے تھے چنانچہ حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام بحکم الٰہی حضرت رسالت مآب ﷺ کو یہ بتاتے تھے کہ کون سی آیت کہاں سے شروع ہو کر کس لفظ یا حرف پر ختم ہو رہی ہے اور پھر اسے کس سورت میں کس مقام پر رکھنا ہے۔ ایک ہی وقت میں متعدد سورتوں کی وحی نازل ہوا کرتی تھی اور حضرت رسالت مآب ﷺ مختلف سورتوں میں مختلف آیات درج کرواتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ مختلف سورتیں مکمل ہوتی چلی جاتی تھیں۔

ہمارے اس دعوے کی تصدیق وتائید ان متعدد روایات سے ہوتی ہے جو نزول قرآن کے معاملے میں احادیث کی مختلف کتابوں میں آئی ہیں۔ مثلاً

① حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ ان کی موجودگی میں حضرت رسالت مآب ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور اس کے ختم ہونے پر آپ نے فرمایا:

> ''حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ابھی تشریف لائے تھے اور انہوں نے مجھ سے فرمایا: یہ آیت کریمہ ﴿انّ الله يأمر بالعدل والاحسان وايتاءِ ذي القربي إلخ﴾ اس سورت (النحل) کے اس مقام ﴿ويوم نبعث إلخ﴾ کے بعد رکھ دیں۔'' ①

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام بحکم الٰہی نہ صرف یہ کہ آیات کی ابتداء وانتہاء بھی بتایا کرتے تھے بلکہ یہ بھی واضح کرتے تھے کہ کون سی آیت کس سورت میں کس مقام پر رکھی جائے گی اور ظاہر ہے کہ

---

① أتاني جبريل فأمرني أن أضع هذه الآية بهذا الموضع من هذه السورة ﴿انّ الله يأمر بالعدل والاحسان وايتاءِ ذي القربي وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي يعظكم لعلكم تذكّرون﴾ [النحل: ٩٠]. (مسند أحمد، حديث عثمان بن أبي العاص عن النبي صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم: ١٧٩١٨، ج: ٢٩، ص: ٤٤١)

www.seerat.net

اگروہ آیات کی ابتداء اور انتہاء کا تعین نہ کرتے تو پھر سارا قرآن کریم مسلسل ہوتا نہ کہ آیات وسور میں منقسم۔

② خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو ایک طویل روایت میں بہت صراحت کے ساتھ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

> ''حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف سورتوں کے مختلف حصے نازل ہوتے رہتے تھے اور جب آیات نازل ہوتی تھیں تو آپ کاتبین وحی رضی اللہ عنہم کو بلاتے اور فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں جہاں پر یہ تذکرہ ہے، وہاں پر مرتب کردو۔'' ①

اس روایت سے امت نے کیا سمجھا ہے؟ اس کی ترجمانی کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نتیجہ خوب اخذ کیا ہے۔

> ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ ہر سورت میں آیات کی جو ترتیب ہے یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔'' ②

③ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت میں مصروف تھے اور ان کا انداز یہ تھا کہ ایک سورت کی کچھ آیات پڑھتے تھے، پھر اس مقام کو چھوڑ کر کسی دوسری سورت کی آیات کی تلاوت شروع کر دیتے تھے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انداز دیکھ لیا اور یاد فرمایا۔ ارشاد ہوا۔ ''بلال میں تمہارے پاس سے گذرا تو میں نے تمہاری تلاوت کو سن کر یہ سمجھا کہ کبھی تم ایک سورت کی آیات تلاوت کرتے ہو اور پھر کبھی دوسری سورت کی آیات پڑھنے لگتے ہو۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جی، یا رسول اللہ میں ایسے ہی کر رہا تھا اور مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پاک

---

① فقال عثمان: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مما يأتي عليه الزمان، وهو تنزل عليه السور ذوات العدد، فكان إذا نزل عليه الشيء دعا بعض من كان يكتب فيقول: ضعوا هؤلآء الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا. (جامع الترمذي، أبواب تفسير القرآن، ومن سورة التوبة، رقم: ٣٠٨٦، ص: ١٩٦٣)

② فهذا يدل على أن ترتيب الآيات في كل سورة كان توقيفا. (فتح الباري، كتاب: فضائل القرآن، ج: ٩، ص: ٤٢)

www.seerat.net

کلام کے کچھ حصے کو اسی کے پاک کلام کے دوسرے حصے کے ساتھ جوڑ دوں۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے اس طرز عمل سے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ ہر سورت کی آیات کو اسی ترتیب سے پڑھا جائے جو ترتیب آیات طے ہو چکی ہے۔①

اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تلاوت قرآن کریم کے شوق میں اپنے ذوق کے مطابق کبھی ایک سورت کی چند آیات پڑھتے تھے اور پھر کبھی دوسری سورت کی چند آیات پہلی سورت کی چند آیت کے ساتھ ملا لیتے تھے تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے انہیں ایسے تلاوت کرنے سے روک دیا تو یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ نہ صرف سورتوں کی آیات مرتب ہو چکی تھیں بلکہ اس طرز تلاوت کی بھی اس وجہ سے ممانعت کر دی گئی کہ مختلف سورتوں کی ترتیب آیات میں فرق پڑنے کا خدشہ تھا۔ یہ ممکن تھا کہ اگر ممانعت نہ کی جاتی تو آئندہ آنے والی اُمت آیات کی ترتیب اپنی مرضی سے طے کرتی اور قرآن کریم کا سارا نظام وترتیب آیات مسخ ہو کر رہ جاتا۔ والعیاذ باللّٰہ.

ہمارا یہ دعویٰ کہ قرآنی آیات کی ترتیب تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے۔ اور آج جو ترتیب آیاتِ الٰہی کی ہے وہ قطعی اور منجانب اللہ ہے جسے تبدیل کرنا حرام اور کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ اسی ترتیب کے مطابق تعلیم ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اس کی ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ بعض اوقات، تفہیم مسائل کے لیے حضرت رسالت مآب ﷺ کو جب کسی قرآنی آیت کا حوالہ یا دلیل دینی ہوتی تھی تو آپ فرماتے تھے کہ فلاں سورت کی فلاں آیت دیکھ لی جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم اور آیات کی ترتیب، آپ نے اپنی حیات طیبہ ہی میں مرتب فرما دی تھیں۔ مندرجہ ذیل روایت پر بھی غور فرمالیجیے۔

④ ”کلالہ“ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ مرد یا عورت جس کے نہ تو والدین زندہ ہوں، اور نہ ہی اولاد ہو۔②

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ”کلالہ“ کی وراثت کے متعلق متعدد سوالات تھے جن کے جوابات کے لیے بار بار

① مرّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ على بلال وهو يقرأ من هذه السورة، ومن هذه السورة، فقال: مررت بك يا بلال وأنت تقرأ من هذه السورة، ومن هذه السورة، فقال: بأبي أنت يا رسول الله، إني أردت أن أخلط الطيب بالطيب، فقال: اقرأ السورة على نحوها. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب فضائل القرآن، باب: الرجل يقرأ من هذه السورة وهذه السورة: رقم: ٣٠٨٨٧، ج: ١٥، ص: ٥٥٠)

② پ: ٦، سورة النسآء، آیت: ١٧٦.

www.seerat.net

حضرت رسالت مآب ﷺ کی طرف رجوع کی ضرورت پیش آتی تھی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> ''میں نے حضرت رسالت مآب ﷺ سے کسی مسئلے کے بارے میں اتنے سوالات نہیں کیے جتنے سوالات ''کلالہ'' کے بارے میں کیے اور انہوں نے بھی کسی معاملے میں میرے ساتھ ایسے رویے کا اظہار نہیں فرمایا جتنا کہ ''کلالہ'' کے بارے میں، یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنی انگلی میرے سینے پر رکھ کر دبائی اور فرمایا: ''ارے عمر! وہ آیت الصیف ① جو کہ سورۃ النساء کے آخر پر ہے، سوالات کے جواب کے لیے کافی نہیں ہے؟'' ②

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ مختلف آیات کو مرتب کروا کر مختلف سورتوں کے نام رکھ کر ان میں اس کلام الٰہی کو ترتیب میں لکھوا اور طے کروا چکے تھے اسی لیے تو ارشاد فرمایا کہ سورۃ النساء کی آخری آیت پر غور کر لیا جائے۔

⑤ صحیح مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو الدرداء ﷛ نے فتنہ دجال سے حفاظت کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:

> ''حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سورہ کہف

① ''آیت الصیف'' سے مراد پ:٦، سورۃ النساء کی آیت:١٧٦، مراد ہے۔ کلالہ کے بارے میں دو آیات نازل ہوئی تھیں ایک اس وقت جب مدینہ منورہ میں سردی کا موسم تھا اور ایک اس وقت جب آپ فتح مکہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور وہ موسم گرمی کا تھا، تو آپ نے اس آیت کو ''آیت الصیف'' ارشاد فرما دیا یعنی وہ آیت جو گرمیوں میں نازل ہوئی تھی۔

وأمّا قوله:"تجزيك آية الصيف" فإن الله سبحانه أنزل في الكلالة آيتين، إحداهما في الشتاء، و هي الآية التي نزلت في سورة النساء، وفيها إجمال وإبهام، لا يكاد يتبيّن هذا المعنى من ظاهرها ثم أنزل الآية الأخرى في الصيف، وهي في آخر سورة النسآء، وفيها من زيادة البيان ماليس في سورة الشتاء، فأحال السائل عليها ليستبين المراد بالكلالة المذكورة فيها، والله أعلم. (معالم السنن للخطابي، باب: من ليس له ولد وله أخوات، ج: ٤، ص: ٩٤)

② ما راجعت رسول الله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في شيء، ما راجعته في الكلالة، وما أغلظ لي في شيء، ما أغلظ لي فيه، حتى طعن بإصبعه في صدري، وقال: "ياعمر! ألا تكفيك آية الصيف التي في آخر سورة النسآء. (صحيح مسلم، كتاب الفرائض، باب: ميراث الكلالة، رقم: ٤١٥٠، ص: ٩٥٩)

کی ابتدائی دس آیات یاد کرلیں وہ فتنہ دجال سے محفوظ رکھا جائے گا۔①

یہ حدیث بھی اس کی غماز ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے آیات کو باذن الٰہی مرتب کروا دیا تھا اور اسی وجہ سے تو وہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ سورۃ الکہف کی ابتدائی دس آیات۔

قرآن حکیم کی تمام سورتوں کی آیات کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کے مطابق ایک خاص ترتیب میں رکھ کر سورتوں اور آیات کو مرتب کر دینا، یہ نبوت کے ان اہم ترین مقاصد میں سے ایک تھا، جس کے لیے حضرت رسالت مآب ﷺ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اگرچہ مندرجہ بالا احادیث بھی اس دعوے کے موافق دلائل ہیں لیکن ایک اہم اور قابل غور بات یہ بھی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی اسی بات پر تھا کہ قرآن کریم کی ہر ہر سورت کی آیات کی ترتیب وہی ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں لوح محفوظ اور خود علم باری تعالیٰ سبحانہ میں ہے۔ یہ اہم کام بالکل ایسے ہی ہوا جیسے کہ اللہ تعالیٰ خود چاہتے تھے اور حضرت جبرئیل امین، رسالت مآب، صحابہ کرام صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس میں ہرگز کوئی کوتاہی روا نہیں رکھی۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کے انتقال کے بعد یہ ذمہ داری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کندھوں پر آن پڑی تھی کہ وہ قرآن کریم کی ہر ہر سورت کی آیات کی وہی ترتیب قائم رکھیں جو ترتیب ان کے حوالے کی گئی تھی۔

جو جماعت اس قدر امین ہو کہ سورۂ انفال سے پہلے چونکہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہیں لکھوائی تو وہ بھی نہ لکھیں اور یہ اضافہ تک نہ کریں، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ سورۂ انفال بھی ایک سورت ہے اور ہر سورت سے پہلے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا جملہ لکھا جاتا ہے لیکن اس علم کے باجود وہ مجتنب رہے تو اس سے بڑھ کر ان کے امین ہونے کی کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابوبکر کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے:

"آیات میں ترتیب کو قائم رکھنا واجب ہے اور یہ نہایت ضروری ہے کیونکہ جبرئیل امین علیہ السلام عرض کرتے تھے کہ "اس آیت کریمہ کو فلاں مقام پر مرتب کروا دیجیے اور اس آیت کریمہ کو فلاں مقام پر جوڑ دیا

---

① عن أبي الدرداء: أنّ النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: من حفظ عشر آيات من أوّل سورة الكهف، عصم من فتنة الدجال. (صحيح مسلم، كتاب: كتاب فضائل القرآن وما يتعلق بها، باب: فضل سورة الكهف وآية الكرسي، رقم: ۱۸۸۳، ص: ۸۰٤)

www.seerat.net

جائے۔“①

قاضی ابوبکر ابن الطیب الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۰۳ھ نے ”علوم القرآن“ کے موضوع پر ایک کتاب ”الانتصار للقرآن“ تحریر فرمائی ہے اور اپنے موضوع پر یہ ایک لاجواب کتاب ہے۔

قرآن حکیم کی ترتیب، سور، اور آیات کی ترتیب، قرآن کریم میں تحریف، احرف سبعہ کے معانی،② قرآن حکیم جیسی دوسری کتاب کیوں نہیں لکھی جاسکتی، قرائتیں اور دیگر بہت پُرمغز مباحث پر نہایت مہارت اور کامیابی سے علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم اٹھایا اور ہر موضوع کو نبھایا ہے۔

یہ کتاب ہر طرح سے اس بات کا حق رکھتی ہے کہ علوم قرآنی پر کام کرنے والے اہل علم اس سے مستفید ہوں اپنی اس کتاب ”الانتصار للقرآن“ میں علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب باندھا ہے اس باب میں یہ بحث ہے کہ:

”قرآن کریم کی تمام سورتوں اور آیات کی ترتیب کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق، باندھنا ضروری تھا اور اس معاملے میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کا حق حاصل نہ تھا اور نہ ہی کسی اور کے لیے یہ جائز ہے کہ مختلف سورتوں کی آیات آپس میں ملادے اور یا پھر یہ کہ آیات قرآنی کی ترتیب کو بدل کر کسی آیت کو موجودہ ترتیب سے ہٹا کر، کسی اور آیت سے پہلے یا بعد میں رکھ دے۔“③

اس باب کا عنوان ہی بتا رہا ہے کہ اس اہم مسئلے میں اُمت کا مؤقف کیا رہا ہے۔ مزید دلائل اور تفصیلات جاننے کے لیے اسی کتاب کے اس باب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ علامہ جلال الدین الیسوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب ”التحبير في علم التفسير“ میں یہی فیصلہ کن بات لکھی ہے کہ:

---

① ترتيب الآيات أمر واجب، وحكم لازم، فقد كان جبرئيل يقول: ضعوا آية كذا في موضع كذا. (الإتقان، النوع الثاني عشر في جمعه وترتيبه، ج: ١، ص: ٢١٤)

② حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مشہور حدیث جو کہ مستند کتب احادیث میں وارد ہوئی ہے کہ مجھ پر قرآن کریم سات حروف (احرف سبعہ) میں نازل کیا گیا ہے

③ الكشف عن وجوب ترتيب آيات السور وأن ذلك إنما حصل بالنص والتوقيف دون الاجتهاد، وأنه ليس لأحد أن يخلط آيات السور بغيرها ولا يضع مكان الآية غيرها مما قبلها أو بعدها. (الانتصار، باب: الكشف عن ....، ص: ٢٥٣)

www.seerat.net

’’سورتوں اور آیات کی ترتیب میں آخری اور فیصلہ کن بات یہی ہے کہ یہ تمام ترتیب خود حضرت رسالت مآب ﷺ نے ہی طے فرما دی تھی۔‘‘①

رکوعھا: ۱

(اس میں ایک رکوع ہے)

’’رکوع‘‘ بھی ’’آیت‘‘ کی طرح قرآن کریم کی کسی بھی سورت کے اندر کی تقسیم کو بھی کہتے ہیں اور کبھی مکمل سورت ہی ایک رکوع پر مشتمل ہوتی ہے، جیسے کہ سورۂ فاتحہ یا قرآن کریم کی آخری سورتیں ہیں۔

’’کلام الٰہی کی تقسیم‘‘ تو درحقیقت ’’علوم القرآن‘‘ کا موضوع ہے لیکن قدرے تفہیم کے لیے یہاں بھی کچھ تحریر کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کے مطابق کلام الٰہی کی تقسیم، حضرت رسالت مآب ﷺ نے قرآنی سورتوں کے مختلف مجموعے بھی طے فرما دیے اور آپ ان کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بنو ثقیف کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ان کی دلجوئی کے لیے رات کو ان کے خیمے میں تشریف لے جاتے اور زمانہ ماضی میں مشرکین مکہ کے مظالم اور مکی دور کا تذکرہ بھی چلتا۔ ایک مرتبہ بنو ثقیف رات کو آپ کی آمد کے منتظر رہے لیکن تشریف آوری میں تاخیر ہوگئی۔ آپ نے باعث تاخیر یہ بیان فرمایا کہ:

’’میں قرآن کریم کا ایک مقرر شدہ حصہ تلاوت کیا کرتا ہوں، رات اچانک اس ورد کا وقت آ گیا تو جی میں آیا کہ اس ورد کو مکمل کیے بغیر نہ جاؤں۔‘‘

یہ مقرر شدہ حصہ یا ’’ورد‘‘ کیا تھا؟ وفد کے اراکین نے صبح ہوتے ہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے استفسار کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ:

’’ہم قرآن کریم کو سات حصوں میں تقسیم کر کے پھر ہر حصے کی تلاوت

① والمختار أن الكل من النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (التحبير في علم التفسير، النوع السادس والستعون: ترتيب الآئي والسور، ص: ۳۷۱)

کرتے ہیں۔

پہلا حصہ: قرآن کریم کی ابتدائی تین سورتیں (از سورۂ بقرہ تا سورۂ نساء)۔

دوسرا حصہ: پھر مزید پانچ سورتیں (از سورۂ مائدہ تا سورۂ توبہ)۔

تیسرا حصہ: پھر مزید سات سورتیں (از سورۂ یونس علیہ السلام تا سورۂ نحل)۔

چوتھا حصہ: پھر مزید نو سورتیں (از سورۂ بنی اسرائیل تا سورۂ فرقان)۔

پانچواں حصہ: پھر مزید گیارہ سورتیں (از سورۂ شعراء تا سورۂ یٰسین)۔

چھٹا حصہ: پھر مزید تیرہ سورتیں (از سورۂ صٰفّٰت تا سورۃ فرقان)۔

ساتواں حصہ: پھر بقیہ قرآن حکیم (از سورۂ ق تا سورۂ ناس)۔①

یہی وہ ترتیب ہے جس کا تذکرہ اسی جلد کے صفحہ ـــــ پر ''فمی بشوق'' کے تحت آیا ہے اور اسی ترتیب کے متعلق حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ ''مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''سات دن میں پورے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی ترتیب کو ''ختم الاحزاب'' کہا جاتا ہے اور سور قرآنی کی یہ ترتیب بالکل طے شدہ ہے بلکہ آثار میں تو ایک ایسا ہی قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ وہ اس ترتیب کو ''فمی بشوق'' فرمایا کرتے تھے یعنی جمعہ مبارک کے دن

---

① عن عثمان بن عبدالله بن أوس الثقفي عن جده أوس بن حذيفة، قال: كنت في الوفد الذين أتوا النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أسلموا من ثقيف من بني مالك، أنزلنا في قبة له، فكان يختلف إلينا بين بيوته وبين المسجد، فإذا صلى العشاء الآخرة، انصرف إلينا ولا نبرح حتى يحدثنا، ويشتكي قريشا، ويشتكي أهل مكة، ثم يقول: "لا سواء، كنا بمكة مستذلين ومستضعفين، فلما خرجنا إلى المدينة كانت سجال الحرب علينا ولنا" فمكث عنا ليلة لم يأتنا حتى طال ذلك علينا بعد العشاء قال: قلنا: ماأمكث عنا يا رسول الله؟ قال: "طرأ علي حزب من القرآن، فأردت أن لا أخرج حتى أقضيه" قال: فسألنا أصحاب رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حين أصبحنا، قال: قلنا: كيف تحزبون القرآن؟ قالوا: نحزبه ثلاث سور، وخمس سور، وسبع سور، وتسع سور، وإحدى عشرة سورة، وثلاث عشرة سورة، وحزب المفصل من قاف حتى يختم. (مسند أحمد، حديث أوس بن أبي أوس الثقفي، رقم: ١٦١٦٦، ج: ٢٦، ص: ٨٨)

www.seerat.net

تلاوت قرآن کریم کا آغاز سورۂ فاتحہ(ف) سے کیا جائے اوراسی دن سورۂ نساء تک تلاوت کی جائے اور یہ پہلی منزل ہے۔ پھر ہفتہ کے دن تلاوت قرآن کریم کا آغاز سورۂ المائدہ (ف+م) سے کیا جائے اور سورۂ توبہ تک تلاوت کی جائے اور یہ دوسری منزل ہے۔ پھر اتوار کے دن تلاوت قرآن کریم کا آغاز سورۂ یونس علیہ الصلوۃ والسلام سے کی جائے اور سورۂ نحل تک تلاوت کی جائے اور یہ تیسری منزل ہے۔ پھر پیر کے دن تلاوت قرآن کا آغاز سورۂ بنی اسرائیل (ف+م+ی+ب) سے کیا جائے اور سورۂ فرقان تک تلاوت کی جائے اور یہ چوتھی منزل ہے۔ پھر منگل کے دن تلاوت قرآن کریم کا آغاز سورۂ شعراء (ف+م+ی+ب+ش) سے کیا جائے اور سورۂ یٰسین تک تلاوت کی جائے اور یہ پانچویں منزل ہے۔ پھر بدھ کے دن تلاوت قرآن کریم کا آغاز سورۂ والصٰفٰت (ف+م+ی+ب+ش+و) سے کیا جائے اور سورۂ حجرات تک تلاوت کی جائے اور یہ چھٹی منزل ہے اور پھر جمعرات کے دن تلاوت قرآن کریم کا آغاز سورۂ ق (ف+م+ی+ب+ش+و+ق= فمی بشوق) سے کیا جائے اور سورۂ الناس تک تلاوت کر کے قرآن کریم کی قرأت مکمل کی جائے اور یہ ساتویں منزل ہے اوراس طریقے سے سات دنوں میں ہر دن ایک منزل پڑھ کر قرآن کریم کی تلاوت مکمل کر لی جائے۔"①

① ويسمى ختم الأحزاب وترتيبه الأصح، بل الوارد في الأثر مايؤخذ من قول منسوب إلى علي كرم الله وجهه: فمي بشوق. أشار بالف إلى الفاتحة المفتوحة بها الجمعة، وإلى ميم المائدة، ثم إلى ياء يونس، ثم إلى باء بني إسرائيل، ثم إلى شين الشعراء، ثم إلى ق ثم إلى آخر القرآن. (مرقاة المفاتيح، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثاني، رقم: ٢٢٠١، ج: ٤، ص: ٧٠٢)

www.seerat.net

اس بحث سے ایک تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم میں سورتوں کی ترتیب، حضرت رسالت مآب ﷺ کے دور میں بھی وہی تھی جو کہ آج پندرھویں صدی میں ہے اور یہ بھی کلام الٰہی کی تقسیم برائے حفظ وتلاوت کا دستور اسی عہد مسعود سے چلا آتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان حقائق کو واضح طور پر بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں تلاوت قرآن کریم کا مسنون طریقہ یہی تھا کہ وہ سات حصوں میں تلاوت کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے پورے قرآن کریم کو سات حصوں میں تقسیم کیا تھا یہ تقسیم نہ تین حصوں (دس پارے فی منزل) میں کی گئی اور نہ پانچ حصوں (چھ پارے فی منزل) میں اور یہ تقسیم تواتر سے معلوم ہے۔'' ①

وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا گلی، کوچوں اور محلوں سے بڑھ کر شہر اور شہروں سے بڑھ کر ممالک خلافت راشدہ کے زیر نگین ہونے لگے۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عہد مسعود گذر رہا تھا اور ہر نیا آنے والا ماہ وسال ہزاروں انسانوں کو حلقہ بگوش اسلام کر رہا تھا۔ اسلامی مملکت کی اس توسیع اور آبادی کی کثرت نے نئے مسائل بھی جنم دیئے۔ قرآن کریم کی تلاوت کی کثرت سے مدارس اور مساجد گونج اُٹھے اور عجمیوں کے لیے قرآن کریم کا عربی زبان میں پڑھنا مسئلہ بن گیا۔ یہ ضرورت پیش آئی کہ کلام الٰہی پر نقطے لگائے جائیں اور بچوں کو حفظ سہولت دینے کے لیے کچھ کچھ آیات پر نشانات لگائے جائیں، چنانچہ یہ رواج چل پڑا کہ دس آیات کے بعد ایک نشان لگا دیا جاتا تھا اور اس عمل کو ''تعشیر'' کہا جاتا تھا۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دوررس نگاہ اپنے دور اور مستقبل کی ضروریات کو اگر دیکھ رہی تھی لیکن وہ عربی عبارت قرآنی پر نقطے لگانا (تنقیط) اور ہر دس آیات کے بعد نشان (تعشیر) لگانے کی اجازت دینے کے بارے میں متردد تھے اور خشیت باری تعالیٰ بھی حاصل تھی کہ وہ کلام الٰہی میں ان اضافوں کی اجازت کیسے دے دیں؟ حتیٰ کہ انہوں نے فیصلہ فرمادیا کہ تعشیر کی اجازت نہ دی جائے اور سرکاری سطح پر قرآن کریم کو ہر قسم کے

① أن المسنون كان عندهم قراءته في سبع: ولهذا جعلوه سبعة أحزاب، ولم يجعلوه ثلاثة ولا خمسة، وفيه أنهم حزبوه بالسور، وهذا معلوم بالتواتر. (مجموع فتاوى لشيخ الإسلام ابن تيمية، وقال الشيخ الإسلام: فصل، ص: ٤٠٩)

www.seerat.net

اضافے سے محفوظ رکھا جائے۔ حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ عنہ① کی روایت ہے کہ:

> ''جب ہم لوگوں کو عراق کا نظم ونسق سنبھالنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ کیا گیا تو امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہمیں رخصت کرنے کے لیے بہت دور تک پیدل تشریف لائے، چلتے رہے اور ارشاد فرمایا دیکھیے آپ صوبے میں جا رہے ہیں جہاں کے باشندے اس کثرت سے تلاوت کرتے ہیں کہ ان کی تلاوت کی گونج ایسے آواز پیدا کردیتی ہے جیسے کہ شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے، انھیں بس قرآن کریم ہی میں مصروف رکھیں اور دیگر مذہبی کتابوں میں نہ الجھنے دیں② ورنہ وہ قرآن کریم سے رک جائیں گے اور دیکھیے قرآن کریم کو ہر طرح کی آمیزش سے علیحدہ رکھنا۔''

قرآن کریم کو ہر طرح کی آمیزش سے پاک رکھنے کا مطلب یہی تھا کہ تعشیر کو متن قرآن میں شامل نہ کیا

① قرظہ بن کعب انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کی تعلیم کے لیے جن دس حضرات کو مدینہ طیبہ سے بھیجا تھا، امیر ان میں سے ایک تھے اور اہل کوفہ کو قرآن کریم کی تعلیم دینا یہ ان کی اہم ذمہ داری تھی، غزوۂ اُحد سے لے کر باقی تمام غزوات میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے، پھر کوفہ ہی میں انہوں نے سکونت اختیار کرلی تھی اور امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس بلا لیا اور کوفہ کے حکمران حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ بنا دیئے گئے، امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے دور کے تمام غزوات میں یہ انہی کی فوج میں ان کے ہمراہ رہے۔ حافظ ابن عبدالبر کی تحقیق یہ ہے کہ ان کا انتقال سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کے دور خلافت میں ہوا اور انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''التقریب'' میں فرماتے ہیں کہ عراق کی تمام فتوحات میں یہ شریک تھے اور ان کا انتقال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں ۵۰ھ کے قریب ہوا۔ رضی اللہ عنا وعنهم.

② امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''فلا تشغلوهم بالأحاديث فتصدوهم ''انہیں ''احادیث'' میں مشغول نہ ہونے دیں۔ اگر آپ نے انھیں یہ اجازت دے دی تو پھر آپ نے انھیں قرآن کریم سے روک دیا۔ اس روایت میں جو لفظ ''احادیث'' آیا ہے، منکرین حدیث نے اس پر ایک طوفان مچا رکھا ہے کہ دیکھو ہمارا مؤقف -احادیث قابل استناد نہیں ہیں- کیسے واضح ہو رہا ہے۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود علم حدیث سے استفادہ، منع فرماتے تھے اور لوگوں کو صرف قرآن ہی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے تھے، حالانکہ ان کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جو فرمایا کہ انھیں احادیث میں مشغول نہ ہونے دینا، تو ان کی مراد یہ تھی کہ دیگر مذہبی کتابیں تورات اور انجیل وغیرہ (احادیث) کو پڑھنے کی ہمت شکنی کرنا کیونکہ عوام تو زیادہ تعلیم یافتہ ہیں نہیں، مبادا کہ وہ فضول مباحث میں پڑ جائیں اور کوئی فتنہ اُٹھے۔ امت میں اہل علم نے ''احادیث'' سے مراد یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ اکمل الدین بابرتی رحمۃ اللہ علیہ ''العنایہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

www.seerat.net

جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی تھا اور حضرت عثمان بن سعید دانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۴۴ھ ''المحکم'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متن قرآن میں تعشیر کو ناپسندیدہ قرار دیتے تھے۔''①

اور امام مسروق رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے شاگرد تھے ان سے نقل کیا ہے کہ:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو قرآن کریم کے نسخے سے تعشیر کے نشانات مٹا دیا کرتے تھے۔''②

لیکن تہذیب وتمدن کی ترقی اور عجمیوں نے جب کثرت سے اسلام کو قبول کرلیا اور عربی پڑھنے میں دشواری پیش آنے لگی تو پھر عمومی طور پر قرآن کریم میں نقطے لگائے گئے، سورتوں کے نام لکھے گئے، آیات کی نشاندہی مزید

”وقيل هو أمر بتعليم القرآن وحده وترك الأحاديث، وقالوا: هذا باطل، وقيل هو حث على أن لا يتعلم شئ من كتب اللّٰه غير القرآن، لأن غيره إنما يؤخذ من اليهود والنصارى وليسوا بمؤتمنين عليها.“ (العناية، مسائل متفرقة، ج: ٦، ص: ١٤٣)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ رعایا کو صرف قرآن کریم کی تعلیم دی جائے اور احادیث کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اہم علم یہ کہتے ہیں کہ یہ تشریح باطل ہے۔ اور اس فرمان والاشان سے ان کا مقصد یہ تھا کہ رعایا میں قرآن کریم کے علاوہ جو مذہبی کتابیں عام ہیں، انھیں ان کی تعلیم سے روکا جائے کیونکہ ان کتابوں میں یہودی اور عیسائی روایات وتشریحات ہیں اور مذہب کے معاملے میں یہود ونصاریٰ قابل اعتماد نہیں ہیں۔''

کہاں یہ صحیح مؤقف اور تشریح جو اُمت میں اہل علم نے سمجھی اور تحریر فرمائی اور کہاں منکرین حدیث کا یہ جھوٹ وافتراء کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے علم حدیث پر پابندی لگادی تھی، اگر مؤقف یہی ہوتا تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل بھی کبھی اس کے مطابق رہا؟ وہ تو خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سینکڑوں احادیث بیان فرماتے رہے۔ اور فرض کر لیجئے کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ''احادیث'' سے مراد حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تھیں تو پھر بھی منکرین حدیث کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس صورت میں بھی احادیث کی قلت روایہ مطلوب ٹھہرتی ہے نہ کہ سرے سے احادیث ہی کا انکار کردینا۔

① عن عبدالله أنه كره التعشير في المصحف. (المحكم، باب: ذمر ما جاء في تعشير المصاحف وتخميسها، ص: ١٣)

② عن مسروق، عن عبدالله أنه كان يحك التعشير من المصحف. (المحكم، باب: ذمر ما جاء في تعشير المصاحف وتخميسها، ص: ١٣)

www.seerat.net

وضاحت سے کی گئی، پاروں کی تقسیم ہوئی اور یہ ''خدمت قرآن'' کا ایک پورا عمل ہے، جو صدیوں میں آنے والی تبدیلیوں پر محیط ہے۔ اس بحث کا اصل مقام ''علوم قرآنی'' کے ابواب ہیں لیکن یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس تبدیلی کا تعلق ''تبدیلی زمان ومکان'' سے ہے کہ کتنے ہی فتوے اور احکامات شرعیہ وہ ہیں جو کہ زمانے اور جگہ کے بدلنے سے بدل جایا کرتے ہیں۔

صاحب ''بدائع الصنائع'' علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۸۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

> ''قرآن کریم میں ہر دس آیات کے بعد نشان لگانا اور حروف پر نقطے لگانا، مکروہ تھا کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ قرآن کریم کو کسی بھی آمیزش سے پاک رکھو، اسی وجہ سے اس دور میں نہ تو تعشیر ہوئی اور نہ ہی نقطے لگائے گئے۔'' ①

امام فخر الدین زیلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی فتوے کی مزید وضاحت کی ہے اور تحریر فرمایا ہے:

> ''قرآن کریم کی قرأت اور آیات کا متعین ہونا، یہ اللہ تعالیٰ نے طے فرما دیا تھا اور اس معاملے میں کسی بھی فرد کی رائے کو کوئی دخل نہیں ہے، لیکن تعشیر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ہر شخص کو حفظ قرآن میں سہولت ہو (یعنی وہ دس، دس آیات کا سبق لے کر آسانی سے حفظ قرآن کی تکمیل کر سکے) اور ہر آیت پر جو اعراب اور نقطے لگائے گئے تو اس لیے کہ قرأت بھی صحیح طور سے نہیں کر سکتے تھے، جب نقطے وغیرہ لگائے گئے تو ان کے لیے یہ بہت سہولت ہوگئی اور (وہ صحیح تلفظ سے تلاوت کرنے لگے) یہ بہت عمدہ کام ہوا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا تھا کہ قرآن کریم کو کسی بھی قسم کی آمیزش سے علیحدہ رکھو تو یہ فتویٰ ان کے زمانے تک ہی تھا اس لیے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم،

① ویکره التعشیر والنقط في المصحف، لقول عبدالله بن مسعود رَضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُ: جردوا مصحافکم، وذلك في ترك التعشیر والنقط. (بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان، ج: ٦، ص: ٥٠٦)

www.seerat.net

قرآن کریم کو براہ راست حضرت رسالت مآب ﷺ سے اخذ کر رہے تھے اور جیسے قرآن نازل ہو رہا تھا وہ اسے ویسے ہی پڑھتے تھے اور چونکہ عرب تھے اس لیے یہ تلاوت انھیں چنداں دشوار نہ تھی بلکہ ان کے لیے تو نقطوں کا لگانا اور تعشیر، یہ اُمور باعث تشویش تھے اور حفظ میں خلل انداز ہوتے تھے لیکن ہمارے دور میں عجمیوں کو، جب تک کہ نقطے وغیرہ نہ ہوں قرأت قرآن کی تعلیم دی ہی نہیں جا سکتی اس لیے سورتوں کے نام لکھنا اور آیات کی تعداد لکھنا وغیرہ یہ طریقہ اگرچہ خیر القرون کے بعد کا ہے لیکن بدعت سیئہ نہیں بلکہ بہت عمدہ ہے، اور کتنے ہی فتوے① اور شرعی احکامات ایسے ہیں جو زمانے اور جگہ کی تبدیلی سے تبدیل ہو جایا کرتے ہیں۔②

یہ بھی خیال رہے کہ امام فخر الدین زیلعی حنفی رحمہ اللہ جب یہ سب کچھ تحریر فرما رہے تھے تو قرآن کریم میں پاروں کی تقسیم، رکوعات، سورتوں کے نام وغیرہ یہ سب مستحسن اضافات ہو چکے تھے لیکن چونکہ یہ اضافات منصوص نہیں تھے اس لیے اسی دور میں حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ آوازہ بلند کیا تھا کہ قرآن کریم کے پاروں کی

---

① صدیوں بعد علامہ ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ نے جب ''درمختار'' کی شرح تالیف فرمائی تو انہوں نے بھی اسی فتوے کا حوالہ دے کر اس کو برقرار رکھا۔ حضرت علامہ رحمہ اللہ کی اصل عبارت یہ ہے:

''(**وتعشيره ونقطه**) أي إظهار إعرابه، وبه يحصل الرفق جدا خصوصا للعجم فيستحسن، وعلى هذا لا بأس بكتابة أسامي السور وعد الآي وعلامات الوقف ونحوها فهي بدعة حسنة. درر وقنية. (حاشية ابن عابدين، كتاب الحظر والإباحة، فصل: في البيع، ج: ٩، ص: ٦٣٤)

② لأن القراءة والآي توقيفية ليس للرأي فيها مدخل فبالتعشير حفظ الآي وبالنقط حفظ الإعراب فكانا حسنين، ولأن العجمي الذي لا يحفظ القرآن لا يقدر على القراءة إلا بالنقط فكان حسناً، وما روي عن ابن مسعود رضي الله عنه أنه قال: ''جرّدوا القرآن'' فذاك في زمنهم لأنهم كانوا ينقلونه عن النبي صلى الله عليه وسلم كما أنزل وكانت القراءة سهلة عليهم وكانوا يرون النقط مخلاً بحفظ الإعراب والتعشير بحفظ الآي، ولا كذلك العجمي في زمننا فيستحسن لعجز العجمي عن التعلم إلا به، وعلى هذا لا بأس بكتابة أسامي السور وعدّ الآي فهو وإن كان محدثاً فمستحسن، وكم من شئ يختلف باختلاف الزمان والمكان. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، ج: ٧، ص: ٦٦)

www.seerat.net

جو تقسیم ہے، اسے بدلنا چاہیے اور سورتوں کو توڑ کر پارے متعین کرنے کی بجائے سورتوں کی بنیاد پر پاروں کی تقسیم کرنی چاہیے، جو کچھ وہ چاہتے تھے اس کا تذکرہ انہوں نے اپنے فتاویٰ میں کیا ہے اور انہوں نے پاروں کی تقسیم اس طرح سے کی ہے۔①

اجزاء	سورتیں
۱	فاتحہ، نصف من البقرہ
۲	نصف الاخیر من البقرہ
۳	آل عمران
۴	النساء

① وأما البقرة فقد يقال: يجعلها حزبا و إن كانت بقدر حزبين وثلث، لكن الأشبه أنه يقسمها حزبين للحاجة، لأن التحزيب لابد أن يكون متقاربا بحيث يكون الحزب مثل الأجزاء ومثله مرة ودون النصف وأما إذا كان مرتين وشيئا فهذا تضعيف وزيادة.

وعلى هذا فإلى الأعراف سبعة أجزاء، والأنفال جزء، وبراءة جزء، فإن هذا أولى من جعلها جزءًا؛ لأن ذلك يفضي إلى أن يكون نحو الثلث في ثمانية والذي رجحناه يقتضي أن يكون نحو الثلث في تسعة، وهذا أقرب إلى العدل. وتحزيب الصحابة أوجب أن يكون الحزب الأول أكثر، ويكون إلى آخر العنكبوت العشر الثاني سورتين سورتين.

وأما يونس وهود فجزءان أيضاً أو جزء واحد؛ لأنهما أول ذوات (الر)، ويكون على هذا الثلث الأول سورة سورة، والثاني سورتين سورتين، لكن الأول أقرب إلى أن يكون قريب الثلث الأول في العشر الأول، فإن الزيادة على الثلث بسورة أقرب من الزيادة بسورتين، وأيضا فيكون عشرة أحزاب سورة سورة، وهذا أشبه بفعل الصحابة، ويوسف والرعد جزء، و كذلك إبراهيم والحجر، وكذلك النحل وسبحان، وكذلك الكهف ومريم، وكذلك طه والأنبياء، وكذلك الحج والمؤمنون، وكذلك النور والفرقان، وكذلك ذات (طس) الشعراء والنمل والقصص، وذات (الم) العنكبوت والروم ولقمان والسجدة جزء، والأحزاب وسبأ وفاطر جزء، و(يٰس) و (الصافات) و (ص) جزء، والزمر وغافر و(حم) السجدة جزء، والخمس البواقي من آل (حم) جزء.

والثلث الأول أشبه بتشابه أوائل السور. والثاني أشبه بمقدار جزء من تجزئة الحروف وهو المرجح. ثم "القتال" و "الفتح" و "الحجرات" و"ق" و"الذاريات" جزء۔ ثم الأربعة الأجزاء المعروفة، وهذا تحزيب مناسب مشابه لتحزيب الصحابة رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وهو مقارب لتحزيب الحروف، وإحدى عشرة سورة حزب حزب، إذ البقرة كسورتين، فيكون إحدى عشر سورة، وهي نصيب إحدى عشرة ليلة. واللّٰه أعلم. (مجموع الفتاوى، ج: ١٣، ص: ٤١٥، ٤١٦)

۵	المائدہ
٦	الانعام
۷	الاعراف
۸	الانفال
۹	البراءۃ۔
۱۰	یونس۔
۱۱	ہود۔
۱۲	یوسف،الرعد۔
۱۳	ابراہیم،الحجر۔
۱۴	النحل،السبحان(بنی اسرائیل)۔
۱۵	الکہف،مریم۔
۱٦	طہٰ،الانبیاء۔
۱۷	الحج،المؤمنون۔
۱۸	النور،الفرقان۔
۱۹	طواسین(الشعراء،النمل،القصص)۔
۲۰	ذات الم(العنکبوت،الروم،لقمان،الم السجدہ)۔
۲۱	الاحزاب،سبا،فاطر۔
۲۲	یٰس،الصافات،ص۔
۲۳	الزمر،الغافر،حم السجدہ۔
۲۴	الخمس البواقی من آل(حم)۔(الشوری،الزخرف،الدخان،الجاثیۃ،الاحقاف)۔

www.seerat.net

۲۵	القتال (محمد)، الفتح، الحجرات، ق، الذاریات۔
۲۶	جزء (۲۷) المعروف۔
۲۷	جزء (۲۸) المعروف۔
۲۸	جزء (۲۹) المعروف۔
۲۹	جزء (۳۰) المعروف۔

یہ ہے وہ پاروں کی تقسیم جو حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی لیکن کسی نامعلوم زمانے میں پاروں کو تیس (۳۰) کی تعداد میں متعین کر دیا گیا تھا۔ اور وہ تقسیم اب تک چلی آتی ہے، حیرت اس بات پر ہے کہ سعی بلیغ کے باوجود اب تک یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ سب سے پہلے پاروں کو کس نے تقسیم کی تھا اور اس تقسیم کی بنیاد کیا تھی، کیونکہ بہت سی سورتوں کی تقسیم اس طرح سے ہوئی ہے کہ نفس مضمون تشنہ رہ جاتا ہے اور کئی ایک دیگر وجوہ کی بناء پر یہ تقسیم مورد الزام ٹھہرتی ہے، خاص طور سے جب قاری چوتھے پارے کی آخری آیت اور پانچویں پارے کا آغاز دیکھتا ہے یا تیرہویں پارے کا اختتام اور اس سے اگلے پارے کا آغاز کرتا ہے وغیرہ وغیرہ تو الجھن پیش آتی ہے۔ یہ تقسیم اگر بر بنائے حروف کی گئی ہے تو بھی اس کا سراغ نہیں ملتا اور یہ اتنا بڑا کام کس نے کیا، اگرچہ شیخ ابوالحسن علم الدین السخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم قرآن پر اپنی بے مثال کتاب "جمال القرا وکمال الاقراء" میں اس موضوع پر بہت تفصیل سے لکھا ہے لیکن گتھی ہے کہ سلجھتی نہیں۔

کچھ یہی صورتحال سورتوں میں رکوعات کی تقسیم کے بارے میں بھی ہے، کچھ پتہ نہیں چلتا کہ سب سے پہلے کس شخص نے کس زمانے میں کہاں بیٹھ کر رکوعات کی کس بنیاد پر تقسیم کی تھی؟ ان کے ذہن میں کیا خاکہ تھا اور ان کی اس تقسیم پر آیا کوئی اعتراض بھی ہوا تھا یا نہیں اور ان رکوعات کے کیسے تلقی بالقبول حاصل ہوا؟

اس تقسیم کے بارے میں کچھ تو قیاس ہیں کہ آیات کی ایسی مقدار ہے، جو کہ ایک رکعت میں باآسانی پڑھی جاسکے یا یہ کہ پورے قرآن کریم میں 540 رکوعات ہیں اور اگر تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو ستائیسویں شب میں قرآن کریم مکمل ہوجائے گا اور شب قدر کی فضیلت حاصل ہوجائے گی اور یہ کام مشائخ بخارا نے یا امام قاضی عمادالدین رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا لیکن یہ باتیں کسی تحقیق پر مبنی نہیں ہیں۔

www.seerat.net

اوراس قیاس کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کے کل رکوعات کی تعداد 540 ہے ہی نہیں بلکہ جب ہم نے امام القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس نسخے میں رکوعات کی تعداد کا شمار کیا، جو نسخہ انہوں نے خود محنت کر کے مرتب کروایا تھا تو رکوعات کی تعداد 557 نکلی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ محض اس قیاس کی باتیں ہیں جن کی بنیاد نامعلوم ہے۔ اگرچہ امام کبیر شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۸۲ھ نے پانچویں صدی میں یہ تحریر فرمایا تھا:

> ’’حضرت قاضی امام عماد الدین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ مشائخ بخارا نے قرآن حکیم کے 540 رکوع مقرر کیے تھے تا کہ تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے:

رکوعات		روزانہ رمضان میں		رکوع (روزانہ)
540	=	27	×	20

> تو رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہو جائے گا اور یہ جو بہت سی روایات میں آیا ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں شب میں ہوتی ہے تو اس طرح لیلۃ القدر میں عبادت کرنے کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی۔①

پھر جب آٹھویں صدی ہجری میں علامہ عالم بن عبد العلاء انصاری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۸۶ھ نے فتاویٰ تاتارخانیہ مرتب فرمایا تو انہوں نے بھی یہی بات تحریر فرمائی:

> ’’رمضان المبارک میں نماز تراویح میں ایک مرتبہ قرآن کریم کے لیے ہر رکعت میں دس آیات پڑھی جائیں اور ’’کافی‘‘ میں ہے کہ پورے رمضان میں رکعات چھ سو تراویح (600=30×20) ہیں

① وحكى عن القاضي الإمام عماد الدين رَحِمَهُ اللَّهُ: أن مشايخ بخارى جعلوا القرآن خمسمائة وأربعين ركوعا، وعلموا الختم في الليلة السابعة والعشرين رجاء أن ينالوا فضيلة القدر، إذ الأخبار قد كثرت بأنها ليلة السابع والعشرين من رمضان، وفي غير هذه البلدة المصاحف معلمة بالآيات، وإنما سموه ركوعا على تقدير أنها تقرأ في كل ركعة.(المبسوط للسرخسي، الفصل السادس: في حق قدر القراءة، ج: ٢، ص: ١٤٦)

www.seerat.net

(اگرچہ یہ ضروری نہیں کیونکہ کبھی یہ تعداد 580 بھی ہوسکتی ہے (580=29×20) اور قرآن حکیم کی کل آیات چھ ہزار سے کچھ زائد ہیں (حالانکہ یہ ''کچھ زائد'' نہیں بلکہ سینکڑوں زائد ہیں) سو جب امام روزانہ دس آیات پڑھے گا تو ایک مرتبہ ختم قرآن ہوجائے گا، مشائخ بخارا نے قرآن حکیم کو پانچ سو چالیس (540) رکوعات میں تقسیم کیا تھا، اور یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس طرح قرآن حکیم ستائیسویں شب کو ختم ہوگا اور لیلۃ القدر کی فضیلت بھی مل جائے گی۔①

حالانکہ قرآن کریم کے رکوعات کی تعداد یقیناً 550 سے بھی زائد ہی ہے اور اگر قرآن حکیم کو دس آیات کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے تو معاملہ اور بھی دور جا پڑتا ہے کہ اس حساب سے تو رکوعات کی تعداد روایت حفص کے مطابق تو 650 سے بھی زائد ہوجاتی ہے اور تراویح اتنی ہو ہی نہیں سکتیں، الغرض یہ تقسیم واضح طور پر درست نظر نہیں آتی۔

اور پھر جب حضرت محی الدین سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عالمگیری مرتب کروائی تو انہوں نے بھی یہی کہا ہے۔②

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ (کہ رکوعات کی تقسیم کس نے کب، کہاں اور کیوں کی تھی) اب تک ایسے ہی لاینحل ہے جیسے کہ تیس پاروں کی تقسیم۔ اس ناتمام تحقیق کا تعلق اگرچہ علوم قرآن سے ہے لیکن ہم لفظ رکوع کا لغوی طور پر تجزیہ کرتے ہیں۔

عربی میں ''رَکَـعَ'' کے اصل معنیٰ ''چہرے کے بل گر جانا'' یا ''منہ کے بل جھک جانا'' کے ہیں، کوئی شخص بطور

---

① والختم مرة يقع بقراءة عشر آيات في كل ركعة. وفي الكافي: لأن عدد الركعات في جميع الشهر ستمائة، وعدد آي القرآن ستة آلاف وشيء، فإذا قرأ في كل ركعة عشر آيات يحصل الختم فيها، ومشايخ بخارا جعلوا القرآن خمسمائة وأربعين ركوعا وأعلموا المصاحف بها ليقع الختم في الليلة السابعة والعشرين رجاء أن ينالوا فضل ليلة القدر.

② وحكى أن المشايخ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ جعلوا القرآن على خمسمائة وأربعين ركوعا وأعلموا ذلك في المصاحف حتى يحصل الختم في ليلة السابع والعشرين وفي غير هذا البلد كانت المصاحف معلمة بعشر من الآيات وجعلوا ذلك ركوعا ليقرأ في كل ركعة من التراويح القدر المسنون. (فتاوى هندية، كتاب: الصلاة، الباب التاسع: في النوافل، ج: ١، ص: ١٣٠)

www.seerat.net

عبادت ایسے کرے یا کوئی فرد اپنی طبیعت یا عادت میں ایسا ہو، سبھی کے لیے یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔

① رَکَـــعَ الشیخ کے معنی ہیں جو شخص اپنے بڑھاپے کی وجہ سے جھک جائے تو یہ جھکنا عمر کا تقاضا ہے نہ کہ عبادت اور اگر کوئی شخص عبادت کے طور پر جھکے گا تو بھی یہی لفظ استعمال ہوگا جیسے کہ نماز میں بطور عبارت جھکا جاتا ہے۔

② رَکَـــعَ کے معانی میں سر کا جھکنا ضروری ہے قطع نظر اس کے کہ ایسے شخص کے گھٹنے زمین کو چھو رہے ہیں یا نہیں۔ لبید اپنے قصیدے میں کہتے ہیں:

"میں (ان لوگوں کو جو آج غرور سے سر اُٹھا کر چل رہے ہیں، ان
لوگوں سے سبق سیکھنے کو) یاد دلاتا ہوں کہ وہ پچھلی صدیوں کے لوگ
سب مٹ گئے (اور اسی وجہ سے) میں ہمیشہ ایسے سر جھکا کر چلتا ہوں
کہ جب کھڑا بھی ہوتا ہوں تو گویا کہ میں جھکا ہوا ہوں۔" ①

سو معلوم ہوا کہ رکع کے اصل معانی میں تواضع اور عاجزی شامل ہے۔

③ دور جاہلیت میں وہ شخص جو بتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت پورے اطمینان سے کرتا تھا، اسے بھی رَاکِعٌ کہا جاتا تھا کیونکہ اس طرح وہ تمام معبودوں سے یکسو ہو جاتا تھا اور اس میں تواضع، عاجزی اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے جھکنا، آ جاتا تھا اور ایسے ہی شخص کو حنیف بھی کہا جاتا تھا کیونکہ حنیف کے بنیادی معانی بھی یکسو ہو جانے والے کے ہیں اور قرآن حکیم بار بار حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا، جو یہ وصف بیان کرتا ہے کہ وہ "حنیف" تھے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ کبھی بتوں کی عبادت کے لیے نہیں جھکے بلکہ اپنے آپ کو محض عبادت خداوندی کے لیے جھکا یا یا یکسو کر لیا تھا۔ علامہ زمخشری نے بھی اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ راکع وہ شخص ہے جو پورے اطمینان سے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جھک گیا ہو۔ نابغہ زبیانی کہتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ جو تمام مخلوق کا پروردگار ہے، جو شخص بھی اپنے ایسے

---

① ركع الشيخ: انحنى كبرا، وهو أصل معنى الركوع، ومنه أخذ ركوع الصلاة، وبه فسر قول لبيد:

أُخَبِّـــرُ أَخْبَـــارَ الْـقُـــرُوْنِ الَّتِـي مَـضَـتْ　　أَدِبُّ كَـــأَنِّـــي كُـلَّـمَـــا قُـمْـــتُ رَاكِـــعُ

(تاج العروس، فصل الراء مع العين، مادة: ركع، ج: ١١، ص: ١٧٦)

www.seerat.net

پروردگار کے سامنے جھکے گا، وہ آدمی اپنے مقاصد میں یا تو کامیاب ہوجائے گا اور یا پھر ناکام بھی ہوگا تو ناکامی کا کوئی مضبوط عذر اس کے پاس یقیناً ہوگا۔''①

④ یہ لفظ جب مجازی معنی میں استعمال ہوتا ہے تو بدحالی اور فقر و فاقہ کے معانی بھی دیتا ہے، رکع الرجل کے الفاظ اس شخص کی حالت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوئے جو مالدار ہو اور پھر فقر و فاقہ میں مبتلا ہوجائے۔ اضبط بن قریع کہتے ہیں:

''کسی فقیر کی توہین مت کرو، ممکن ہے کہ تم زمانے کے نشیب و فراز کا شکار ہوکر خود پستی کی طرف جھک جاؤ اور یہ فقیر معزز ہوجائے۔''②

اس لیے ''رکع الرجل'' کے معنی یہ ہوئے کہ وہ آدمی غنا کے بعد فقر میں مبتلا ہوگیا اور اس کی مالی حالت کمزور پڑ گئی۔ أعاذنا اللّٰه منه جميعاً.

⑤ مجازی معنی میں یہ لفظ جانوروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ عرب کہتے ہیں: ''لغبت الإبل حتى ركعت'' اونٹ مغلوب ہوئے حتیٰ کہ بالکل جھک گئے اور یہ بھی محاورہ ہے: ''وهن رواكع'' اور ان کے سر بالکل جھک گئے۔

⑥ عرب پتھی کی مستطیل سلوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کرتے ہیں کیونکہ وہ سلیں تو زمین سے متصل، دائمی طور پر جھکی ہوئی ہوتی ہیں۔ مَرْكَع وہ مستطیل سل جو مسالہ کوٹنے کے کام آتی ہے۔ اردو میں سل بٹا بھی بولتے ہیں۔ درحقیقت پتھر کی ایک قسم لوڑھا ہوتی ہے اور سل لوڑھا پتھر کا ایک چوڑا ٹکڑا اور لوڑھا پتھر ہی کا ایک چھوٹا ٹکڑا

---

① وكانت العرب في الجاهلية تسمي الحنيف راكعا إذا لم يعبد الأوثان، ويقولون: ركع إلى اللّٰه، قال الزمخشري: أي اطمأن، قال النابغة الزبياني:

سَيَبْلُغُ عُذْراً أَوْ نَجاحاً من امرِئٍ ... إِلى رَبِّهِ رَبِّ الْبَرِيَّةِ رَاكِعُ

(تاج العروس، فصل الراء مع العين، مادة: ركع، ج: ١١، ص: ١٧٧)

② ومن المجاز: ركع الرجل، إذا افتقر بعد غنى، وانحطت حاله، قال الأضبط بن قريع:

لا تُهِينَ الفَقيرَ عَلَّكَ أَنْ ... تَرْكَعَ يَوْماً والدَّهْرُ قد رَفَعَهُ

(تاج العروس، فصل الراء مع العين، مادة: ركع، ج: ١١، ص: ١٧٦)

www.seerat.net

جو پیسنے کے کام آتا ہے بٹا کہلاتا ہے اور اس مجموعے کو سل بٹا کہتے ہیں۔ اور لوڑھا پتھر چونکہ بہت مضبوط ہوتا ہے اور باورچی خانے میں مسلسل استعمال کی وجہ سے ایسے مضبوط پتھر ہی کی ضرورت تھی اس لیے بھی یہ پتھر سل بٹے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور پرانے زمانے میں بچوں سے ایک پہیلی دریافت کیا کرتے تھے۔

سل ٹوٹے سل ٹبا ٹوٹے وہی چیز کبھی نہ ٹوٹے

(سایہ، پرچھائیں)

اس سل کو عربی میں ''مَرْکَع'' کہتے ہیں اور اس کی جمع ''مراکع''۔

⑦ اَلرُّکْعَۃ وہ کنواں یا اتنا گہرا غار یا کھڈا جس کی گہرائی کی پیمائش بہت دشوار ہو، اتھاہ گہرائی کے معانی میں بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے کیونکہ یہ زمین کا وہ حصہ ہوتا ہے جو سطح زمین کے مقابلے میں جھکا ہوا ہے۔ یہ لغت بالعموم یمن میں رائج ہے۔

⑧ اس لفظ (رکوع) کے شرعی استعمالات میں سے ایک تو رکوع ہے۔ یعنی عبادت کی نیت سے انسان اپنے جسم کے اوپر کے حصے (دھڑ) کو اتنا جھکا لے کہ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں، گھٹنوں کو چھو لیں تو یہ رکوع کہلائے گا۔ دوسرا استعمال یہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ رکوع کبھی ''سجدہ'' کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''سو اس (داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے رب سے معافی مانگی اور گر گیا، جھک کر اور رجوع کیا۔''①

اس آیت کریمہ میں ''خَرَّ'' کا لفظ خود ''گرنے'' کے معنی متعین کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ''رَاکِعًا'' کا لفظ استعمال فرما کر اس حقیقت کی مزید وضاحت کر دی کہ حضرت داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام بوجہ ندامت نہ صرف یہ کہ گر پڑے بلکہ بہت ہی زیادہ جھک بھی گئے تو گرنا اور جھکنا دونوں الفاظ نے یہ مفہوم واضح کر دیا کہ وہ بہت ہی زیادہ گرے یعنی سجدہ کیا۔ پھر قرآن کریم میں اس لفظ کا تیسرا استعمال ''نماز'' کے معانی میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکو تو وہ نہیں

---

① ﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ﴾ (پ: ۲۳، سورۃ: ص، آیت: ۲۴)

www.seerat.net

جھکتے۔"①

بعض مفسرین کریم رحمۃ اللہ علیہم نے یہاں پر جھکنے (رکوع) سے مراد "نماز" لی ہے یعنی جب ان سے کہا جاتا کہ نماز قائم کرو تو وہ اس حکم پر عمل نہیں کرتے۔

قرآن حکیم میں اسی لفظ کا چوتھا استعمال "شکر" کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام سے فرمایا ہے:

"اور جو بندے جھکنے والے ہیں، آپ بھی ان کے ساتھ جھک جائیں۔"②

تو بعض مفسرین نے یہاں پر "جھکنے" (رکوع) سے مراد یہ لیا ہے کہ اے مریم! میرے دیگر شکر گزار بندوں کی طرح آپ بھی میرا شکر ادا کریں۔

قرآن کریم میں اسی لفظ (رکوع) کا پانچواں استعمال مطلقاً رُکّع (اللہ تعالیٰ کے حضور بہت جھکنے والے) بھی ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور اے ابراہیم (علیہ السلام)! میرے گھر کو طواف کرنے والوں، کھڑے ہونے والوں، بہت جھکنے والوں اور بہت سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔"③

قرآن حکیم میں یہ لفظ 13 مرتبہ مختلف صورتوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا نقشہ یہاں دیا جاتا ہے:④

نقشہ

نمبر شمار	لفظ	تعداد	آیت بمع نمبر	پارہ	سورت بمع نمبر
1	یَرْکَعُوْنَ	1	وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ:48	29	المرسلات:77

---

① ﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُوْنَ﴾ (پ: ٢٩، سورۃ: المرسلات، آیت: ٤٨)

② ﴿وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ (پ: ٣، سورۃ: آل عمران، آیت: ٤٣)

③ ﴿وَطَهِّرْ بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ (پ: ١٧، سورۃ: الحج، آیت: ٢٦)

④ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن، مادة: ر ك ع، ص: ٤١٢.

2 3 4	اِرْكَعُوا اِرْكَعُوا اِرْكَعُوا	3	وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ وَارْكَعُواْ مَعَ الرَّاكِعِينَ: 43 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ :77 وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ:48	01 17 29	البقرہ:2 الحج:22 المرسلات:77
5	اِرْكَعِي	1	يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ:43	3	آل عمران:3
6	رَاكِعاً	1	وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعاً وَأَنَابَ:24	23	ص:37
7 8	رَاكِعُونَ رَاكِعُونَ	2	الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُون:55 التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ:112	6 11	المائدہ:5 التوبہ:9
9 10	اَلرَّاكِعِينَ اَلرَّاكِعِينَ	2	وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ وَارْكَعُواْ مَعَ الرَّاكِعِينَ: 43 يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ:43	01 03	البقرہ:2 آل عمران:3
11 12	اَلرُّكَّعِ اَلرُّكَّعِ	2	وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ :125 وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ:26	01 17	البقرہ:2 الحج:22
13	رُكَّعاً	1	تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً:29	26	الفتح:48

www.seerat.net